ڈاکٹر اسرار احمد

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

قرآن حکیم کی سورتوں

کے مضامین کا

اِجمالی تجزیہ

اَلفَاتِحَہ تا اَلکَہف

ڈاکٹر اسرار احمد

مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱-۰۳

گزشتہ سال ریڈیو پاکستان کے لاہور اسٹیشن نے پروگرام بنایا کہ رمضان المبارک کے دوران روزانہ پندرہ منٹ کی ایک تقریر نشر کی جائے جس میں قرآن مجید کے ایک ایک پارے کے چیدہ چیدہ مضامین کا خلاصہ بیان کر دیا جائے۔ اس ضمن میں پہلے پندرہ پاروں کے لیے ع "قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند" مجھ سے رابطہ قائم کیا گیا تو میں نے عرض کیا کہ میں پاروں کی تقسیم کا سرے سے قائل ہی نہیں ہوں۔ قرآن کی اصل تقسیم سورتوں میں ہے، اگر اس بنیاد پر بیان کی اجازت ہو تو میں کوشش کر سکتا ہوں۔ قدرے پس و پیش کے بعد میری یہ بات تسلیم کر لی گئی۔ چنانچہ میں نے وہ تقریریں تحریر کرنی شروع کر دیں لیکن جلد ہی اندازہ ہوا کہ یہ ایک نہایت مشکل کام ہے۔ قرآن حکیم کی ایک ایک آیت کی شرح و تفصیل کہیں آسان کام ہے بہ نسبت اس کے کہ اس کی سورتوں کے مضامین کا خلاصہ بیان کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس لیے کہ یہاں تو معاملہ وہ ہے کہ ؎

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

واقعہ یہ ہے کہ قرآن کی ہر ہر آیت انسان کو اپنی جانب متوجہ کرتی ہے اور انسان محسوس کرتا ہے کہ وہ بجائے خود علم و حکمت کا ایک عظیم موتی ہے اور ان میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز کرنا ممکن نظر نہیں آتا! الغرض عجب شش و پنج سے سابقہ پیش آیا کہ ع "گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل" اس لیے کہ اُدھر براڈ کاسٹنگ کارپوریشن سے معاہدہ ہو چکا تھا اور "والموفون بعهدهم اذا عاهدوا" کا تقاضا تھا کہ جیسے بھی ممکن ہو وعدہ پورا کیا جائے۔ چنانچہ دل پر جبر کر کے جیسے بھی بن پڑا پندرہ تقریروں میں سورہ کہف تک کے اہم مضامین کا خلاصہ قلم بند کرنے کی کوشش کی جو اولاً 'میثاق' لاہور کی گذشتہ سال کی تین اشاعتوں میں شائع ہوئی تھیں اور اب بعض احباب کے اصرار پر یکجا ہدیۂ ناظرین کی جا رہی ہیں:۔

ع "گر قبول افتد زہے عز و شرف!

تقدیم طبع اوّل۔ مطبوعہ

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

قرآنِ حکیم کی سورتوں کے گروپ

ایک ہفتے میں قرآن مجید کی تلاوت مکمل کرنے کے لئے اس کی سورتوں کی سات احزاب یا منزلوں میں تقسیم تو مشہور و معروف ہے ہی، عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ مضامین کی مناسبت سے بھی قرآنِ حکیم کی سورتیں سات گروپوں ہی میں منقسم ہیں جن میں سے ہر گروپ کا آغاز ایک یا متعدد مکی سورتوں سے ہوتا ہے اور اختتام ایک یا ایک سے زائد مدنی سورتوں پر .... اور اس طرح جو گروپ وجود میں آتا ہے اس میں ایک مرکزی مضمون کی لڑی بہت نمایاں ہوتی ہے جس میں اس کی تمام سورتیں حد درجہ معنوی حسن کے ساتھ پروئی ہوئی ہوتی ہیں۔

قرآن حکیم کی سورتوں کی ترتیب میں ایک اور بات جو بہت نمایاں نظر آتی ہے یہ ہے کہ اکثر سورتیں جوڑوں کی شکل میں ہیں جیسے البقرہ و آلِ عمران، النساء و المائدہ، الانعام و الاعراف اور الانفال و التوبہ وغیرہ، البتہ کہیں کہیں تین تین اور چار چار سورتوں کے گروپ بھی نظر آتے ہیں جیسے سورۂ یونس سے سورۃ انبیاء تک تین تین کے چار اور الفرقان سے السجدہ تک چار چار کے ۲ ذیلی مجموعے۔

اس تقسیم کے اعتبار سے قرآن حکیم کی سورتوں کے پہلے گروپ کی مکی سورت تو ایک ہی ہے اور وہ بھی بہت چھوٹی اگرچہ اپنی اہمیت و جامعیت کے اعتبار سے وہ بقیہ پورے قرآن کی ہم وزن ہے — یعنی سورۃ فاتحہ اور مدنی سورتیں چار طویل ترین مدنیات ہیں دو دو کے دو جوڑوں کی صورت میں۔ اس گروپ کا مرکزی مضمون ہے شریعت

اسلامی اور اس کا تفصیلی ڈھانچہ جو گویا جواب ہے "اھدنا الصّراط المُستقیم" کی دُعا کا، اور اہل کتاب کو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت اور ان کی ان فکری و اعتقادی اور عملی و اخلاقی ضلالتوں پر ملامت جن کے باعث وہ راندۂ درگاہِ حق ہوئے! ــــــ جبکہ دوسرا گروپ اس اعتبار سے بہت متوازن ہے کہ اس میں ایک ہی جوڑا 'مکیات' کا شامل ہے یعنی الانعام اور الاعراف اور ایک ہی 'مدنیات' کا یعنی الانفال اور التوبہ! اس کا مرکزی مضمون ہے مشرکینِ مکّہ پر بالخصوص اور جمیع اہلِ عرب پر بالعموم اتمامِ حجّت اور ان کے انکار و اعراض کی پاداش میں عذابِ استیصال کا وُرود! ــــــ تیسرے گروپ کا مرکزی مضمون ہے 'رسالت' اور پہلے پندرہ پاروں میں اس گروپ کی 'مکیّات' کے تین تین کے تین چھوٹے گروپ ہی آسکے ہیں۔ یعنی پہلا گروپ سُورہ یونس، سُورہ ہود اور سُورہ یُوسف ایک گروپ اس کے بعد سُورۃ رعد، ابراہیم اور حجر دوسرا گروپ اور پھر سُورہ نحل۔ بنی اسرائیل اور کہف تیسرا گروپ ــــــ یہ مختصر تمہید ان تقاریر میں ترتیب مطالب اور تجزیۂ مضامینِ سُوَرِ قرآنی کے فہم میں ممد ہوگی، اِن شاء اللہ!

پہلا گروپ

الفاتحہ ——— تا ——— المائدہ

تقریر نمبر ۱

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وہ ماہِ رمضان مبارک ہی کی ایک بابرکت اور قابلِ قدر رات تھی جس میں اب سے ایک ہزار چار سو دس سال قبل خالقِ ارض و سماء تبارک و تعالیٰ کا ازلی اور ابدی و سرمدی کلام لوحِ محفوظ سے بواسطۂ جبریلِ امینؑ قلبِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام پر نوعِ انسانی کے لئے واضح اور روشن ہدایت بن کر نازل ہونا شروع ہوا —— پھر وہ بھی رمضان ہی کا بابرکت مہینہ ہوتا تھا جس میں ہر سال اُس وقت تک کے نازل شدہ کلامِ الٰہی کا مذاکرہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام سے کیا کرتے تھے۔ تا آنکہ اپنی حیاتِ دُنیوی کے آخری سال یعنی رمضان ۱۰ھ میں آنحضورؐ نے حضرت جبریلؑ کے ساتھ پُورے کلامِ الٰہی کا مذاکرہ دُو بار کیا —— اور اس طرح اسے ایک مرتّب و مدوّن قرآن کی صورت میں اُمت کے حوالے فرما دیا۔ اور پھر دَورِ خلافتِ راشدہ ہی میں، جو در اصل خلافت علیٰ منہاج النّبوۃ تھی۔ اس مرتّب و مدوّن قرآن نے ایک باقاعدہ مُصحف کی صورت اختیار کرلی۔ جس کے

کروڑہا کروڑ نسخے دنیا میں پہلے قلم سے لکھے گئے اور ہر دور کی اعلیٰ سے اعلیٰ طباعت سے مزیّن ہو کر تیار ہوتے رہے - تا آنکہ آج بلا مبالغہ اربوں کی تعداد میں صفحۂ ارضی پر موجود ہوں گے - اور اسی پر اکتفا نہیں، اللہ کا یہ کلام کروڑوں خوش قسمت انسانوں کے سینوں میں محفوظ رہا جو اس کی حنا بندی اپنے خونِ جگر سے کرتے رہے اور چودہ سو برس ہونے کو آئے کہ ہر سال رمضان المبارک میں کرۂ ارضی کے ایک بڑے حصّے پر گویا اُس کا سالانہ جشن منایا جاتا ہے جبکہ حفاظ پورے ذوق و انہماک کے ساتھ اپنا حِفظ تازہ کرتے ہیں اور عُشّاق کروڑوں کی تعداد میں اُن کے پیچھے صف بستہ ہو کر نزولِ کلامِ ربّانی سے اپنے قلوب کی مُردہ زمینوں کو از سرِ نو زندہ کرتے ہیں، بقول علامہ اقبال ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کُشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشّاف

مُصحف کی پہلی یا افتتاحی سُورت سورۃ فاتحہ ہے جسے خود قرآنِ حکیم ہی نے "سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ" کا خطاب بھی دیا اور "قرآنِ عظیم" بھی قرار دیا - اس کی حیثیت قرآن کے دیباچے اور مقدّمے کی بھی ہے اور اُس کے فلسفہ وحکمت کے خلاصے اور لُبِّ لُباب کی بھی - اس کا اُسلوب دُعائیہ ہے اور اس میں گویا فطرتِ انسانی کی ترجمانی کی گئی ہے - چنانچہ اس کے تین حصّوں میں سے پہلے حصّے میں ان حقائق کا بیان ہے جن تک فطرتِ صحیحہ اور عقلِ سلیم انسان کو پہنچا دیتی ہیں یعنی اللہ کی توحید، اُس کی ربوبیّتِ عامّہ، اُس کی رحمت کا جوش و خروش اور ہمہ گیری و پائیداری اور اُس کی جزا و سزا جس کے فیصلہ کے لئے ایک دن معیّن ہے - جب اختیارِ کلّی صرف اسی کے ہاتھ میں ہوگا ——— دوسرے حصّے میں بات آگے بڑھتی ہے اور بندے گویا اللہ کے رُوبرو ہو کر اُس سے عہدِ وفا اُستوار کرتے ہیں کہ: 'ہم صرف تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے، اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور مانگتے رہیں

گے !" ــــــ اور آخری حصّے میں گویا عقلِ انسانی اعتراف کرتی ہے کہ رُشد و ہدایت اور فوز و فلاح سے ہمکنار کرنے والے صراطِ مستقیم کی تعیین میرے بس میں نہیں ۔ اس کے لئے انسان وحی و رسالت ہی کا محتاج ہے ۔ چنانچہ ہم گویا گھٹنے ٹیک کر اس دعا کرتے ہیں کہ :" اے ربّ! ہمیں ہدایت بخش اُس سیدھی راہ کی، جس پر تیرے وہ بندے چلے جو تیرے انعام و اکرام کے مُستحق ٹھہرے اور جو نہ مغضوب ہوئے نہ گُمراہ ! "

سُورۂ فاتحہ کے بعد پورا قرآنِ حکیم بالعموم اور اُس کی پہلی چار طویل مدنی سُورتیں بالخصوص گویا اس دُعا کا جواب ہیں، جس میں اُس صراطِ مستقیم کی تفصیلی نشاندہی کر دی گئی ہے، جس کا ذکر سُورۂ فاتحہ کے آخری حصّے میں کیا گیا تھا ۔

ان میں سے پہلی دو سُورتیں یعنی سُورۂ بقرہ اور سُورہ آلِ عمران جنہیں آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے :" الزھراوین " کا خطاب دیا ہے یعنی دو انتہائی روشن اور تابناک سُورتیں، ایک نہایت حسین و جمیل جوڑے کی صورت میں ہیں جن میں بہت سے اعتبارات سے مشابہت بھی پائی جاتی ہے ۔ مثلاً یہ کہ دونوں کا آغاز حروفِ مقطعات الٓمٓ اور کتابِ الٰہی کی عظمت و جلالتِ شان کے بیان سے ہوتا ہے اور دونوں کے اختتام پر انتہائی جامع دعائیں ہیں اور بہت سے پہلوؤں سے ان دونوں کے مابین مضامین کی حد درجہ حکیمانہ تقسیم بھی پائی جاتی ہے مثلاً جہاں سُورۂ بقرہ میں اہلِ کتاب میں سے یہود سے مفصّل خطاب کیا گیا ہے وہاں سُورۂ آلِ عمران میں نصاریٰ سے گفتگو کی گئی ہے ۔ اسی طرح سُورۂ بقرہ میں ایمان کے مباحث پر زیادہ زور ہے اور سُورۂ آلِ عمران میں اسلام کے

مباحث پر، اسی طرح جہاد فی سبیل اللہ کے ضمن میں سورۂ بقرہ میں جہاد بالمال یا اِنفاق فی سبیل اللہ پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور سورۂ آلِ عمران میں قتال فی سبیل اللہ پر۔ وقِس علیٰ ھٰذا !

ان میں سے پہلی اور طویل ترین سورت یعنی سورۂ بقرہ جو ۲۸۶ آیات اور چالیس رکوعوں پر مشتمل ہے اور جسے آنحضورؐ نے قرآنِ حکیم کے لئے ذِروۃ السّنام، یعنی بمنزلہ چوٹی یا نقطۂ عُروج قرار دیا ہے۔ ماسوائے چند آیات کے پُوری کی پُوری آنحضورؐ پر ہجرت کے فوراً بعد سے لے کر رمضان ۲ھ میں غزوۂ بدر سے پہلے تک کے عرصے میں جستہ جستہ نازل ہوئی۔

یہ سورۂ مبارکہ تقریباً دو مساوی حصّوں پر منقسم ہے :

پہلے حصّے میں جو ۱۵۲۔آیات اور ۱۸۔ رکوعوں پر مشتمل ہے خطاب کا رُخ براہِ راست یا بالواسطہ اہلِ کتاب، بالخصوص یہود کی طرف ہے۔ اور دوسرے حصّے میں جو بقیہ ۱۳۴۔آیات اور ۲۲ رکوعوں پر مشتمل ہے خطاب کا رُخ اُمتِ محمد علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کی جانب ہے !

پہلا حصّہ پھر تین اجزاء پر مشتمل ہے اور اس میں عجیب توازن پایا جاتا ہے کہ درمیان میں دس رکوع وہ ہیں جن میں یہود کو براہِ راست خطاب کیا گیا ہے، اور ابتداء میں اور اختتام پر چار چار رکوع وہ ہیں جن میں رُوئے سخن اُن کی جانب تو ہے لیکن بطرزِ خفی و لطیف ! ویسے پہلے چار رکوع نہ صرف اس سورۂ مبارکہ بلکہ پورے قرآن مجید کے مضامین کے لیے نہایت جامع تمہید بھی قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ اور آخری چار رکوعوں کے مضامین کی نوعیت گویا شہنشاہِ ارض و سما کے اس فرمان کی ہے کہ امامت الناس کی وراثتِ ابراہیم کی ایک شاخ یعنی بنی اسرائیل سے سلب کر کے دوسری شاخ یعنی بنی اسماعیل کو منتقل کی جاتی ہے جس میں آنحضورؐ کی بعثت ہوئی اور جس سے اُمتِ مسلمہ کا اصل مرکز یعنی NUCLEUS فراہم ہوا — اور اس انتقالِ منصبِ امامت

کی علامت یعنی SYMBOL کی حیثیت اختیار کر لی تحویلِ قبلہ کے واقعے نے!

اس اجمال کے بعد سُورۂ بقرہ کے نصفِ اوّل کے مضامین پر قدرے تفصیلی نگاہ بھی ڈال لیجئے۔

۱ - اس کے پہلے چار تمہیدی رکوعوں میں بھی مضامین کے اعتبار سے دو دو رکوعوں میں تین قسم کے انسانوں کا ذکر ہوا جو اس سُورۂ مبارکہ کے نزول کے وقت بالفعل موجود تھے۔ ایک وہ متقین و مفلحین جو قرآن مجید کی ہدایت سے صحیح طور پر مستفید ہوتے۔ اُن کے اوصاف کے بیان کے ضمن میں اِن شرائط کی وضاحت بھی ہو گئی جو اس کتاب کی ہدایت سے بہرہ مند ہونے کے لئے لازمی و لابُدی ہیں۔ دوسرے وہ جو کُفر پر اس طرح اَڑ گئے کہ اُن کے حق میں کوئی اِنذار یا تبلیغ اور نصیحت مفید نہ رہی۔ اس طرح گویا یہ قاعدۂ کُلّیہ بیان کر دیا گیا کہ ایک وقت وہ بھی آتا ہے جب انسان اپنی شامتِ اعمال سے اپنے اوپر ہدایت کا دروازہ مستقلاً بند کرا لیتا ہے۔ تیسرے وہ جو مدّعی تو ایمان کے تھے لیکن تھے حقیقتاً اس سے بالکل محرُوم۔ اس تیسری قسم کے انسانوں کا ذکر سب سے زیادہ تفصیل سے کیا گیا اس لیے کہ اس میں جس کردار کی نشاندہی بغیر نام لیے کی گئی اس میں اگرچہ پیشگی طور پر مُنافقین کے کردار کی عکّاسی بھی آ گئی۔ لیکن اصلاً یہود کے گھناؤنے کردار کو پورے طور پر بے نقاب کر دیا گیا۔

اس کے بعد کے دو رکوعوں یعنی تیسرے اور چوتھے رکوع میں قرآن مجید کی دعوت کا خلاصہ ہے۔ تیسرے رکوع میں مذہبی فکر کی سطح پر اور چوتھے رکوع میں فلسفہ و حکمت کی سطح پر۔ چنانچہ تیسرے رکوع کا آغاز توحید اور بندگیٔ رب کی دعوت سے ہوا اور اس کے بعد قرآن کے اعجاز کے ضمن میں نبوّت و رسالت اور پھر جنّت و دوزخ کے ضمن میں ایمان بالآخرت کا ذکر آ گیا اور اس طرح ایمانیاتِ ثلٰثہ کی وضاحت ہو گئی ہے۔ چوتھے رکوع میں حضرت آدمؑ کی تخلیق اور اُن کے شرفِ خلافت اور خلعتِ علم سے نوازے جانے اور مسجودِ ملائک

قرار پانے اور پھر ابلیسِ لعین کی عداوت و اغواء سے جنت سے نکلے جانے کے ضمن میں گویا انسان کے مقام و مرتبہ کی وضاحت کے ساتھ ساتھ اُس کے کش مکشِ خیر و شر میں مبتلا ہونے کا ذکر ہے۔ جس میں انسان کو مستقل طور پر شیطان کے اِضلال و اِغواء کا سامنا رہتا ہے اور جس سے تحفّظ دامنِ رسالتؐ کو تھامے بغیر ممکن نہیں۔ بقولِ شاعر ؎

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ!

بنظرِ غائر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حصّے میں بھی یہود کے کردار کی نشاندہی کی گئی ہے کہ جس طرح ابلیسِ لعین حضرت آدمؑ کے اعزاز و اکرام سے جل بھُن کر کباب ہو گیا تھا اور اس نے اُن کے ازلی و ابدی دشمن کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ اسی طرح یہ مدّعیانِ علم و فضل، اور حاملانِ دین و شریعت بھی محمّدِ عربی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اعزاز و اکرام پر حسد کی آگ میں جل اُٹھے ہیں اور آپ کو خوب جاننے اور پہچاننے کے باوجود مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے ہیں اور اس عداوت اور دشمنی میں مشرکین سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئے ہیں!

پانچواں رکوع یہود کو دعوت پر مشتمل ہے اور اُس کی سات آیات اس اعتبار سے انتہائی اہم ہیں کہ اس میں انہیں نہایت بلیغ پیرائے میں آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اور قرآن پر ایمان کی دعوت دی گئی ہے اور دعوت کی مُناسبت سے اُسلوب ایسا مؤثر اختیار کیا گیا ہے کہ اگر کسی کے دل میں قبولِ حق کی ذرّہ برابر استعداد بھی موجود ہو تو وہ فوراً تسلیم کر لے اور لبّیک کہتا ہوا حاضر ہو جائے۔

چھٹے رکوع کے آغاز سے پندرھویں رکوع کے آغاز تک نو رکوعوں سے زائد پر مشتمل ایک مفصّل فردِ قرار دادِ جُرم ہے جو یہود پر عائد کی گئی اور جس کی پاداش میں اُن سے وراثتِ ابراہیمی سلب کر لی گئی اور امامت النّاس کا منصب چھین لیا گیا۔ اس مفصّل فردِ قرار دادِ جُرم میں ان کی تاریخ کے بعض

اہم واقعات کا بیان بھی ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے اس نعمت کی قدر ابتدا ہی سے نہ کی اور اس منصب کی ذمہ داریوں کو سنبھالتے ہی ضائع کر دیا اور ان جملہ اعتقادی اور عملی و اخلاقی گمراہیوں کی تفصیل بھی ہے جن میں اپنی تاریخ کے مختلف ادوار میں بنی اسرائیل مبتلا ہوئے۔ اس حصّے کا ایک خاص پہلو اور بھی ہے جو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے یعنی اس میں نہ صرف یہ کہ ماضی کی تاریخ بیان ہوئی ہے بلکہ علامہ اقبال کے الفاظ میں "آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر۔" بھی موجود ہے۔ اس لئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے اس قول کے مصداق کہ: "لَيَاْتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِيْ كَمَا اَتٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ حذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ۔" (یعنی میری اُمّت پر بھی وہ سب کچھ وارد ہوگا جو بنی اسرائیل پر ہوا بالکل اسی طرح جس طرح ایک جوتا دوسرے جوتے سے مشابہ ہوتا ہے) بعد میں خود اُمّتِ مُسلمہ میں وہ ساری اخلاقی وعملی اور اعتقادی یا نظری و فکری گمراہیاں پیدا ہو کر رہیں جیسے بجائے ایمان اور عمل کے، مدارِ نجات نسلی یا گروہی نسبتوں کو قرار دے دینا جس کا ذکر ہے آیت ۶۲ میں یا آخرت کی جواب دہی کے احساس کو زائل کر دینا اپنی امتیازی حیثیت اور اللہ کے چہیتے، اور اُس کے رسُولوں کے نام لیوا ہونے کے زعم یا کسی سفارش کی اُمیدِ موہُوم اور امداد کی غلط توقّع کی بنا پر جیسے کہ واضح کیا گیا آیات ۴۸، ۱۲۳ میں یا عمل کے بجائے تمنّاؤں کے سہارے جینا جس کا ذکر ہے آیات ۸۰، میں اور جِدّ و جُہد اور سعی و عمل کے بجائے اصل دلچسپی رکھنا عملیات یا سحر و کہانت اور ٹونوں ٹوٹکوں سے جس کا ذکر ہے آیت ۱۰۲ میں، یا کتابِ الٰہی کو بھی یا تو بالکل پیٹھ پیچھے پھینک دینا اور کلّیتہً نظر انداز کر دینا جس کا ذکر ہے آیت ۱۰۱ میں یا اُس کے حصّے بخرے کر دینا کہ شریعت کا ایک جزو تو واجبُ العمل قرار پائے اور دوسرے جزو کو حیلوں بہانوں سے ساقطُ العمل کر دیا جائے جس کا حد درجہ زوردار تہدیدی انداز میں ذکر ہے

آیت ۸۵ میں اور نتیجۃً مُبتلا اور مغلوب ہو جانا حیاتِ اَرضی کی محبت میں، اور خواہاں ہونا طُولِ حیاتِ دُنیوی کا، جس کا ذکر ہے نہایت مذمت آمیز انداز میں آیات ۹۴ تا ۹۶ میں، اور بٹ جانا فرقوں اور گروہوں میں جن کی ساری مساعی وقف ہو ایک دوسرے کی تکذیب اور تردید ہی میں جس کی جانب اشارہ کیا گیا آیات ۱۱۱ تا ۱۱۳ میں —— اور ان سب کی پاداش میں باطنی طور پر مبتلا ہو جانا اُس فسادِ قلبی میں جس کا حد درجہ یاس آمیز انداز میں ذکر کیا گیا آیت ۷۴ میں اور ظاہری طور پر ہدف بن جانا اللہ کے غضب کا اور مبتلا ہونا ذلت و مسکنت اور محکومی و رُسوائی میں جس کا انتہائی عبرت انگیز الفاظ میں ذکر ہوا آیت ۱۱۶ میں! فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ!

آخری حصے کے پہلے دو رکوعوں یعنی پندرھویں اور سولھویں رکوعوں میں پہلے بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل دونوں کے جدِّ امجد یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کو عطا کیے جانے والے منصبِ امامت الناس کا ذکر ہے۔ پھر تعمیرِ کعبہ اور اُس دُعا کا ذکر ہے جو اس کی تعمیر کے وقت معمارانِ حرم یعنی حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے لبوں پر جاری تھی: "اے رب ہمارے، ہماری نسل میں سے ایک رسول اٹھائیو! جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سُنائے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور اُن کا تزکیہ کرے"۔ اس کے بعد ایک بار پھر یہود کو نہایت مؤثر انداز میں زجر و توبیخ بھی کی گئی —— اور آخر میں دو رکوعوں یعنی سترھویں اور اٹھارویں رکوعوں میں اعلان کر دیا گیا کہ یہود ہمیشہ ہمیشہ کے لئے امامتُ الناس اور حاملِ کتابِ الٰہی و شریعتِ خداوندی ہونے سے محرُوم کر دیئے گئے اور اب 'شہادت علی الناس' کا یہ منصب اُمتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرما دیا گیا۔ اور اس عظیم تبدیلی کی علامت کے طور پر ابدًا لآباد تک اہلِ ایمان و یقین اور اربابِ عرفان و آگہی کا قبلہ بنی اسرائیل کی عظمت و سطوتِ پارینہ کی یادگار اور اُن کے دینی و مذہبی مرکز یعنی

بیت المقدس کے بجائے اس گھر کو قرار دے دیا گیا جو : "اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ" کا مصداق بھی ہے اور : "مُبَارَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ" کا بھی اور جس کی تعمیر میں حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ حضرت اسماعیلؑ نے بھی شرکت کی تھی اور جسے اب اُمّتِ محمّد علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کے مرکز کی حیثیت حاصل ہے۔

اس حصّے میں اس اہم تبدیلی کے اعلان کے ساتھ ہی اُمّتِ مُسلمہ کو مُتنبّہ کر دیا گیا کہ اس منصب پر فائز ہونا جہاں ایک بہت بڑا اعزاز ہے وہیں ایک بھاری ذمّہ داری اور نازک فرض کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ جس کے لئے وہ اللہ کے یہاں مسئول ہوں گے۔ اس لئے کہ اُن کی غرضِ تاسیس یہ ہے کہ جس طرح رسُول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم نے اللہ کے دین کی گواہی اُن کے سامنے قولاً اور عملاً دی اور اس میں نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا لحاظ کیا نہ مخالفت کرنے والے کی مخالفت کا۔ اور اس طرح اللہ کی حُجّت اُن پر قائم کر دی۔ اسی طرح اب ان کی ذمّہ داری ہے کہ اس دین کی گواہی دیں اپنے قول سے بھی اور عمل سے بھی۔ انفرادی سطح پر بھی اور اجتماعی سطح پر بھی پوری دنیا اور تمام نوعِ انسانی کے سامنے اور اللہ کی حجّت قائم کریں اُن پر۔۔۔۔ اور ساتھ ہی واضح کر دیا کہ آنحضرتؐ کی بعثت اصل میں اسی دُعائے ابراہیم و اسماعیل علیہما السّلام کا ظہور ہے جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے ۔۔۔۔ اور ان کا عملی طریق کار بھی وہی ہے جس کا ذکر اس دُعا میں کیا گیا تھا یعنی : "اے مسلمانو! ہم نے بھیج دیا ہے تم میں اپنا رسُول جو پڑھ کر سناتا ہے تمہیں ہماری آیات اور تزکیہ کرتا ہے تمہارا اور تعلیم دیتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت کی"۔۔۔۔ اور اب تمہارا کام یہ ہے کہ ہمارے اس احسان کو یاد رکھو اور اس کا حق ادا کرو۔۔۔ یعنی یہ کہ کتاب و حکمت کے وارث ہونے کی ذِمّہ داریوں کو ادا کرو۔

تقریر نمبر ۲

سُورۂ بقرہ کا نصف ثانی جو انیسویں رکوع کے آغاز بلکہ اٹھارویں رکوع کے اختتام سے شروع ہوتا ہے اور آخر سُورت تک پھیلا ہوا ہے اور جس میں خطاب تمام تر اُمّتِ مُسلمہ سے بحیثیت اُمّتِ مُسلمہ ہوا ہے. ترتیبِ مضامین کے اعتبار سے ایک ایسی رسّی کے مانند ہے جو دو لڑیوں کو بٹ کر بنائی گئی ہو اور اُن میں سے ہر لڑی بھی دو دو ڈوریوں سے بٹی ہوئی ہو۔

ان دو لڑیوں میں سے ایک دین و شریعت کی تفصیلات پر مشتمل ہے —— اور دوسری اُس کے غلبے کی سعی و جہد کی ترغیب و تشویق پر! —— پھر دین و شریعت والی لڑی کی بھی دو ڈوریاں ہیں یعنی ایک عقائد و ایمانیات اور دین کے فلسفہ و حکمت کی تفصیل پر مشتمل اور دوسری عبادات و اعمال، اخلاق و آداب، اوامر و نواہی اور حلال و حرام کی تفصیلات یعنی احکامِ شریعت پر مشتمل - اور غلبۂ دین کی سعی و جہد کی بھی دو شاخیں ہیں - ایک وہ جو انفاقِ مال یا سرمایہ و دولت کے صَرف سے عبارت ہے —— اور دوسری وہ جو بذلِ نفس یعنی جسمانی قوّتوں کے کھپانے اور بالآخر جان کی بازی کھیل جانے سے عبارت ہے۔

اس تمہید کے بعد ذرا ہر موضوع کا علیحدہ علیحدہ اجمالی جائزہ لیجئے!

عقائد و ایمانیات

عقائد و ایمانیات کے ذیل میں سب سے پہلے آیۃُ الکرسی کا ذکر مناسب ہے، جسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے قرآن مجید کی عظیم ترین آیت قرار دیا ہے اور اس میں ہرگز کوئی شبہ نہیں کہ توحید فی الصّفات کے ضمن میں اس آیۂ مبارکہ کو وہی مقام حاصل ہے جو توحید فی الذّات کے ذیل میں سُورۂ اخلاص

کو ارشاد ہوتا ہے :-

"اللہ (ہی معبودِ برحق ہے) اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ ہے سب کا قائم رکھنے والا۔ نہ اُس کو اونگھ لاحق ہوتی ہے نہ نیند۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اُسی کی ملکیت ہے۔ کون ہے جو اُس کے حضور اُس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کر سکے؟ وہ جانتا ہے جو کچھ اُن کے سامنے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے۔ اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اس کے جو وہ چاہے، اس کا اقتدار آسمانوں اور زمین سب پر حاوی ہے۔ اور ان کی حفاظت اس پر ذرا بھی گراں نہیں اور وہ بلند و عظیم ہے۔"

توحید کے ضمن میں سورۃ بقرہ کا بیسواں رکوع بھی بہت اہمیت کا حامل ہے جس میں توحید کی آیاتِ آفاقی کا ذکر بھی تفصیل سے ہے اور توحید کا اصل حاصل اور لُبِ لباب بھی بیان کر دیا گیا ہے، یعنی یہ کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات ہی جملہ موجودات سے محبوب تر اور عزیز تر ہو جائے اور اللہ ہی انسان کا مطلوب و مقصودِ اصلی بن جائے۔

فلسفہ و حکمت دین کے اعتبار سے سورۃ بقرہ کے بائیسویں رکوع کی پہلی آیت یعنی آیۂ برّ بھی قرآن حکیم کی عظیم ترین آیات میں سے ہے جس میں برد تقویٰ کے ایک غلط تصوّر کی نفی کر کے ان کی اصل حقیقت واضح کر دی گئی ہے۔ چنانچہ ان کی رُوح کی بھی نشاندہی کر دی گئی ہے، اور اُن کے مظاہر کی تفصیل بھی ان کی نسبتِ باہمی کی وضاحت کے ساتھ کر دی گئی ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

"نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنا رُخ مشرق و مغرب کی طرف پھیر دو، بلکہ اصل نیکی (اس کی ہے) جو ایمان لایا اللہ پر اور قیامت کے

دن پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور انبیاء پر اور دیا اُس نے مال اس کی محبت کے علی الرّغم رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافر کو اور سائلوں کو، اور گلوخلاصی کرانے کے لئے اور قائم کی اُس نے نماز اور ادا کی زکوٰۃ اور پورا کرنے والے اپنے عہد کے جبکہ کوئی معاہدہ کرلیں۔ اور خصوصاً صبر کرنے والے فقر و فاقہ پر اور مصائب و تکالیف پر اور جنگ و قتال کے وقت، یہی لوگ ہیں حقیقتاً راستباز اور یہی ہیں واقعۃً متّقی و پرہیزگار۔"

ایمان کے ذیل میں اُمورِ ایمانیہ کی تفصیل آیۂ بِرّ میں بھی ضمناً آگئی ہے اور آیت ۲۸۵ میں بھی جو (صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق) آخری آیت یعنی آیت ۲۸۶ کے ساتھ ہی آنحضورؐ کو معراج میں عطا ہوئی تھی۔

احکامِ شریعت

جیسے کہ سب جانتے ہیں شریعتِ اسلامی بھی دو اجزاء پر مشتمل ہے یعنی ایک حقوق اللہ یا عبادات اور دوسرے حقوق العباد یا معاملات۔

عبادات:۔ عبادات کے ضمن میں جہاں تک نماز کے ذکر کا تعلق ہے تو وہ تو تانے بانے کے مانند پوری سورت ہی میں بُنا ہوا ہے۔ چنانچہ اس جزوِ ثانی کا آغاز ہی اس ہدایت سے ہوا کہ: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط" (اے اہل ایمان! مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے) —— اور پھر آیات ۲۳۸، ۲۳۹ میں تاکید کی گئی کہ نماز کی پوری حفاظت کرو۔ حتّٰی کہ اگر خوف کی حالت ہو تو بھی خواہ پیدل چلتے ہوئے خواہ سواری کی حالت میں بہر حال کسی صورت میں بھی اس سے غفلت نہ برتو! رہا صلوٰۃ اور زکوٰۃ دونوں کا ساتھ ساتھ ذکر تو وہ پورے قرآن کے مانند اس سورت میں بھی پانچ بار آیا ہے جن میں سے ایک بار نصف

اوّل میں یہود سے خطاب کے ضمن میں آیا تھا اور چار بار نصف ثانی میں مسلمانوں سے خطاب کے ضمن میں آیا ہے یعنی آیات ۸۳، ۱۱۰، ۱۷۷، اور ۲۷۷ میں۔

• روزے کی حکمت اور احکام کے ضمن میں تو قرآن مجید میں پوری کی پوری بحث سورۂ بقرہ کے ایک ہی مقام پر یعنی تیئیسویں رکوع میں آیات ۱۸۳ سے ۱۸۷ تک آگئی ہے۔ یعنی حکمتِ صوم کے ضمن میں اس کی وضاحت بھی کہ روزے سے اصل مقصود حصولِ تقویٰ ہے۔ اس کی صراحت بھی کہ اس عبادت کے لیے رمضان کا مہینہ اس لیے مقرر کیا گیا کہ اس میں قرآن کے نزول کا آغاز ہوا تھا۔ اس کی نشاندہی بھی کہ روزے کا اصل حاصل حلاوتِ دُعا، اور لذّتِ مناجات ہے اور احکام صوم کی پوری تفصیل بھی اُن کے ارتقائی مراحل کے تذکرے سمیت! یعنی وہ ابتدائی حکم بھی جس کی رُو سے روزے کا وُجوب علی التخییر قرار پاتا ہے اور وہ آخری حکم بھی جس کی رُو سے روزے کی فرضیّت علی التعیین ہوگئی!

• اسی طرح حج اور اس کے مناسک واحکام کے ضمن میں بھی اس سورۂ مبارکہ کی آیات ۱۹۶ تا ۲۰۳ کو حد درجہ اہمیّت حاصل ہے۔ جن میں مناسکِ حج کے ضمن میں تمام ضروری ہدایات آگئی ہیں۔ یاد ہوگا کہ ایک رکن حج یعنی: "سعی بین الصّفا والمروہ" کا ذکر اس سورۂ مبارکہ کے نصف ثانی کے بالکل آغاز میں آیت ۱۵۸ میں کر دیا گیا تھا۔

معاملات: جہاں تک معاملاتِ انسانی کا تعلق ہے اس سورۂ مبارکہ کو شریعتِ محمدّی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کے ضمن میں وہی مقام حاصل ہے جو کسی عمارت کی تعمیر کے ضمن میں اس کے نقشے کے ابتدائی خاکہ یعنی BLUE PRINT کو حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ زندگی کے تمام پہلوؤں سے متعلق ابتدائی احکام اس سورت میں دے دیئے گئے ہیں اور ان سے شریعتِ اسلامی کا ابتدائی خاکہ تیار ہوگیا ہے، بعد میں زیادہ تو سورۂ

نساء، اور سورۂ مائدہ میں ـــــــ اور کسی قدر سورۂ نور اور سورۂ احزاب وغیرہا میں تکمیلی احکام نازل ہوئے جن سے اس عمارت کا اتمام و اکمال ہوگیا بفحوائے الفاظِ قرآنی: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ!

چنانچہ سب سے پہلے آیات ۱۶۸ تا ۱۷۶ میں کھانے پینے کی چیزوں میں حلت و حرمت کا ضابطہ بیان کیا گیا۔ جس کے ضمن میں تکمیلی احکام سورۂ مائدہ کے پہلے رکوع میں آئے! پھر آیات ۱۷۸، ۱۷۹ میں قتل کے ضمن میں قصاص اور دیت کے احکام بیان ہوئے، پھر آیات ۱۸۰ تا ۱۸۲ میں وصیّت کا حکم دیا گیا جو گویا اسلام کے قانونِ وراثت کی تمہید تھا جو بعد میں سورۂ نساءٔ میں نازل ہوا۔ پھر آیت ۱۸۸ میں حرام خوری اور بالخصوص رشوت کی ممانعت کی گئی، پھر آیت ۲۱۹ میں شراب اور جوئے کی حرمت کی تمہید باندھی گئی جس کی تکمیل سورۂ مائدہ میں ہوئی، پھر آیت ۲۲۰ میں یتیموں کے حقوق کی طرف توجہ دلائی گئی۔ یہ بھی گویا تمہید ہے اس تفصیلی ہدایت کی جو سورۂ نساء کے رکوع اوّل میں آئی ہے۔ پھر اوّلاً آیت ۲۲۱ میں مشرکہ عورتوں سے نکاح کی ممانعت وارد ہوئی اور اس کے بعد آیات ۲۲۶ تا ۲۴۲ میں نکاح، طلاق، ایلاء، خلع، رضاعت، بیویوں کا نان و نفقہ، بیوہ کے حقوق، مہر اور ازدواجی زندگی کے دوسرے بہت سے معاملات سے متعلق تفصیلی احکام دیئے گئے جن پر بعد میں مزید اضافوں سے اسلام کے عائلی نظام کا حسین و جمیل اور پاک و صاف قصر تعمیر ہوا۔

پھر آخری حصے میں جو ترتیب نزولی کے اعتبار سے مدنی دَور کے آخر سے تعلق رکھتا ہے اوّلاً آیات ۲۷۵ تا ۲۸۱ میں سُود کی حُرمت کا بیان نہایت سخت الفاظ میں ہوا۔ ثانیاً آیت ۲۸۲ میں قرض اور اس سلسلے کی لکھت پڑھت اور گواہی و شہادت کے قانون کی تفصیل آئی، اور اسی کے ضمیمے کے

طور پر آیت ۲۸۳ میں رہن کا ضابطہ بیان ہوا اور اس طرح جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ابتدائی خاکہ تیار ہو گیا۔

جہاد فی سبیل اللہ

سورۂ بقرہ کے نصف ثانی کے مضامین کی دوسری لڑی دینِ حق کے غلبے کی سعی وجہد اور اس کے لئے ترغیب وتشویق پر مشتمل ہے۔ اور اس کے بھی جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے دو جزو ہیں۔

(۱) ایک جہاد بالمال یا انفاق فی سبیل اللہ ــــــ یعنی اللہ کے پیغام کی نشر واشاعت، قرآن مجید کے علم وحکمت کی تعلیم وتشہیر اور اللہ کے دین کے غلبے کی جدّوجہد میں مال صرف کرنا۔ جس کی تاکید ویسے تو اس سورۂ مبارکہ کے نصف ثانی میں از اوّل تا آخر رچی بسی ہوئی ہے۔ چنانچہ آیات ۱۹۵، ۲۱۵، ۲۱۹، ۲۴۵، اور ۲۵۴ میں بتکرار وإعادہ اس کا ذکر موجود ہے۔ ــــ لیکن آیات ۲۶۱ تا ۲۷۴ یعنی چھتیسویں اور سنتیسویں رکوع تو اس موضوع پر پورے قرآن مجید میں "ذُرْوَةُ السَّنَام" یعنی چوٹی یا نقطۂ عروج کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(۲) دوسرا قتال فی سبیل اللہ یعنی اللہ کے دین کے غلبہ کے لئے کفار سے جنگ جس کا منتہائے مقصود ہے درجۂ شہادت بقول علامہ اقبال ؎

شہادت ہے مطلوب ومقصودِ مومن — نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

چنانچہ سورۂ بقرہ کے نصف ثانی کا آغاز ہی اس درجۂ شہادت اور اس کے مرتبہ ومنزلت کے بیان سے ہوا جو آیات ۱۵۴ تا ۱۵۷ پر پھیلا ہوا ہے یعنی ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

" اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوتے ہیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم محسوس نہیں کرتے۔ بے شک ہم تمہارا

امتحان لیں گے، کسی قدر خوف، بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے اور ان ثابت قدموں کو خوشخبری سُنا دو۔ جن کا حال یہ ہے کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ ہی کے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اُن کے رَبّ کی عنایتیں ہیں اور رحمت، اور یہی لوگ راہ یاب ہونے والے ہیں۔"

پھر باقاعدہ حکمِ قتال آیا جو آیات ۱۹۰ تا ۱۹۴ پر پھیلا ہوا ہے۔ گویا ترتیبِ مُصحف میں حج کے احکام سے مُتّصِلاً قبل ہے۔ جس سے اس امر کی جانب رہنمائی ملتی ہے کہ اس کا اوّلین ہدف مقاماتِ حج یعنی حرم کو مشرکین کے تسلّط سے نجات دلانا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ تصریح بھی کر دی گئی کہ قتال کا سلسلہ جاری رہے گا تا آنکہ فتنہ و فساد بالکل فرو ہو جائے اور دین صرف اللہ کے لئے ہو جائے (وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ط)۔ گویا قتال فی سبیل اللہ کا آخری ہدف غلبۂ دینِ حق ہے۔

پھر آیت ۲۱۴ میں قتال سے جی چُرانے والوں کو تنبیہ کی گئی کہ کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ جنّت میں داخلہ مل جائے گا، بغیر اللہ کی راہ میں مصائب جھیلے اور تکالیف برداشت کیے؟ حالانکہ تم سے پہلے اہلِ ایمان کا ہم خوب ٹھوک بجا کر امتحان لیتے رہے ہیں!

پھر آیت ۲۱۶ تا ۲۱۸ میں قتال فی سبیل اللہ کی فرضیّت و مشروعیّت کی تصریح کی گئی اور تھوڑی دُور آگے چل کر آیت ۲۴۴ میں نہ صرف یہ کہ اس کا پُر زور اعادہ کیا گیا بلکہ آیت ۲۴۶ تا ۲۵۲ میں بنی اسرائیل کی تاریخ کے ان واقعات کا ذکر ہوا جن میں مشرکین اور کفّار سے قتال کے نتیجے میں تاریخی اعتبار سے یہود کی عظمت و سطوت کے دَور کا آغاز ہوا

یعنی وہ جنگ جو طالوت علیہ السلام اور جالوت کے مابین ہوئی اور جس کے بعد حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کی پُرشکوہ بادشاہت شروع ہوئی۔ یہ تفصیلی بیان درحقیقت غزوۂ بدر کی تمہید تھا جس سے خود مسلمانوں کی سطوت وشوکت اور دینِ حق کے غلبہ کے دَور کا آغاز ہوا، جس کا نقطۂ عروج دَورِ خلافتِ راشدہ ہے۔

اور پھر اس سُورۂ مبارکہ کا اِختتام ہوا اس عظیم دُعا پر جو شہادت علی النّاس کی نازک ذمّہ داری کی ادائیگی اور جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے کٹھن مراحل میں اہلِ ایمان کے لئے سرمایۂ اطمینان وسکون بنتی ہے اور جس کا خاتمہ ہوتا ہے کفّار کے بالمقابل اللہ سے اِمداد و نصرت کی اِستدعا پر، اور جو آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو عطا فرمائی گئی تھی شبِ معراج میں اُمّتِ محمد علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کے لئے ہدیۂ ربّانی کے طور پر ——— ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”اے پروردگار! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم سے مواخذہ نہ فرمانا۔ اور اے ہمارے پروردگار! ہمارے اُوپر اس طرح کا کوئی بار نہ ڈال، جیسا تو نے ان لوگوں پر ڈالا جو ہم سے پہلے گزرے، اور اے ہمارے پروردگار! ہم پر کوئی ایسا بوجھ نہ لاد جس کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو اور ہمیں معاف کر، ہمیں بخش اور ہم پر رحم فرما، تو ہمارا مولا ہے، پس کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔“

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین ٥

تقریر نمبر ۳

سُورۂ آلِ عمران

ترتیب نزولی کے اعتبار سے سُورۂ بقرہ کے بعد سُورۂ انفال کا نمبر ہے اس لئے کہ وہ کُل کی کُل غزوۂ بدر کے فوراً بعد نازل ہوئی۔ لیکن ترتیبِ مُصحف میں سُورۂ انفال کو سُورۂ انعام اور سُورۂ اعراف کے بعد اور سُورۂ توبہ سے قبل رکھا گیا ہے۔ جس کی حکمت پر گفتگو اِن شاء اللہ سُورۂ انفال ہی کے ضمن میں ہو گی۔ بہرحال مصحف میں سُورۂ بقرہ کے بعد سورۂ آلِ عمران ہے جس کے بارے میں پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ ہر اعتبار سے سُورۂ بقرہ کا جوڑا معلوم ہوتی ہے۔

چنانچہ یہ بھی مضامین کے اعتبار سے سُورۂ بقرہ کی طرح دو بالکل مساوی حصوں پر منقسم ہے۔ پہلے حصّے میں رُوئے سخن اہل کتاب اور ان میں سے بھی بالخصوص نصاریٰ کی جانب ہے اور دوسرے میں خطاب کا رُخ براہِ راست اُمّتِ مُسلمہ کی طرف ہے۔

پھر اُس کا نصف اوّل بھی ٹھیک سُورۂ بقرہ کے مانند تین اجزاء ہی پر مشتمل ہے یعنی جزو اوّل جو آیات ۱ تا ۳۲ پر مشتمل ہے جو غزوۂ بدر کے فوراً بعد نازل ہوا اور جسے اہل کتاب بالخصوص نصاریٰ سے خطاب کی تمہید قرار دیا جا سکتا ہے، جزوِ ثانی جو آیات ۳۳ تا ۶۴ پر مشتمل ہے اور صحیح روایات کے مطابق ۹ھ میں وفدِ نجران کی آمد کے موقع پر نازل ہوا۔ جس میں نصاریٰ سے براہِ راست خطاب فرمایا گیا اور ان کے عقیدۂ اُلوہیّتِ مسیح کی بھرپور تردید کی گئی۔ اور جزوِ ثالث جو آیات ۶۵ تا ۹۹ پر مشتمل ہے جس کا زمانۂ نزول غزوۂ اُحد سے متصلاً قبل معلوم ہوتا ہے اور جس میں خطاب کا رُخ اہلِ کتاب

کے دونوں گروہوں کی جانب ہے، یعنی یہود کی جانب بھی اور نصاریٰ کی جانب بھی اور دونوں ہی کو بالکل سورۃ بقرہ کے انداز میں دعوت بھی دی گئی ہے اور ملامت بھی کی گئی ہے۔

اسی طرح اس سورۂ مبارکہ کا نصفِ ثانی بھی تین اجزاء پر منقسم ہے۔ جزوِ اوّل جو آیات نمبر ۱۰۱ تا نمبر ۱۲۰ پر مشتمل ہے جس کا زمانۂ نزول نصفِ اوّل کے جزوِ ثالث کے ساتھ ہی معلوم ہوتا ہے اور جس میں اُمتِ مسلمہ سے عمومی خطاب فرمایا گیا ہے اور انہیں ان کے مقام و مرتبہ سے آگاہی بخشنے کیساتھ ساتھ اصولی ہدایات دی گئی ہیں اور بالخصوص اہل کتاب کے ہتھکنڈوں سے ہوشیار رہنے کی تلقین کی گئی ہے، جزوِ ثانی جو آیات ۱۲۱ تا ۱۸۰ پر مشتمل ہے اور صحیح روایات کے مطابق غزوۂ اُحد کے فوراً بعد نازل ہوا، جس میں غزوۂ اُحد کے حالات و واقعات اور اُس کے فوراً بعد پیدا ہونے والی سنگین صورتِ حال پر بھر پور تبصرہ بھی کیا گیا ہے اور اس کے سلسلے میں اہلِ ایمان کو خصوصی ہدایات بھی دی گئی ہیں اور جزوِ ثالث جو آیات ۱۸۱ تا ۲۰۰ پر مشتمل ہے اور خاتمۂ کلام کی حیثیت رکھتا ہے اور غالباً غزوۂ اُحد سے قبل نازل ہوا۔ واللہ اعلم!

اس تجزیے کے بعد آیئے کہ ہر حصّے کے اہم مضامین کا جائزہ لے لیں!

(۱) سورۃ بقرہ کی طرح سورۃ آلِ عمران کا آغاز بھی حروفِ مقطّعات الٓمّٓ سے ہوتا ہے اور اس کے پہلے رکوع میں اوّلاً قرآن مجید کی عظمت و جلالتِ شان کا بیان ہے اس مزید وضاحت کے ساتھ کہ یہ کوئی نئی یا انوکھی کتاب نہیں بلکہ کُتبِ سماویہ کے اُس عظیم سلسلے کی آخری و جامع اور مکمل و محفوظ کڑی ہے جس میں تورات اور انجیل بھی شامل ہیں۔ پھر سورۃ بقرہ کے پہلے رکوع ہی کے مانند یہاں بھی دو گروہوں کا ذکر ہوا۔ ایک وہ طالبانِ

ہدایت جو اس کتابِ الٰہی سے صحیح اِستفادہ کرنے والے ہیں اور دوسرے وہ جن کے قلوب میں کجی ہوتی ہے اور جو فتنہ کے مُتلاشی ہوتے ہیں۔ نتیجۃً خود بھی گمُراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں ——— اس ضمن میں اس اہم حقیقت کی جانب رہنمائی عطا فرمائی گئی کہ کتابِ الٰہی دو قسم کی آیات پر مشتمل ہے۔ ایک آیات مُحکمات جن کا مفہوم و مَدلُول بالکل واضح ہے اور ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے اور دوسری آیات مُتشابہات جن کے اصل مراد و معنٰی کی تعیین میں اِشتباہ پیش آ سکتا ہے۔ جن لوگوں کے دلوں میں کجی اور نیّت میں خلل ہوتا ہے اور جو بجائے ہدایت کے فتنے کے طالب ہوتے ہیں وہ آیاتِ متشابہات کی کھود کرید میں مصروف رہتے ہیں اور جن طالبانِ ہدایت کو اللہ رسُوخ فی العلم عطا فرما دیتا ہے اُن کی اصل دلچسپی آیاتِ مُحکمات سے ہوتی ہے، اور وہ آیاتِ متشابہات کے ضمن میں اجمالی ایمان پر اِکتفا کرتے ہوئے اللہ سے دُعا کرتے رہتے ہیں کہ:

"اے ہمارے ربّ ہمارے دلوں کو کجی میں نہ مبتلا کر دیجیو اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت سے سرفراز فرمایا۔ اور ہمیں عطا فرما اپنے خزانۂ فضل سے رَحمتِ خصُوصی، اور تُو تو ہے ہی بخشنے والا، عطا فرمانے والا!"

——— اس میں ایک لطیف اشارہ ہو گیا نصاریٰ کی گمُراہی کی طرف جنہوں نے "رُوح اللہ" اور "کَلِمَۃٌ مِّنۡہُ" کے متشابہ الفاظ سے رائی کا پہاڑ بنا ڈالا اور اُلوہیتِ مسیح کا عقیدہ گھڑ لیا۔

جزءِ اوّل کی بقیہ آیات یعنی از ۱۰ تا ۳۲ کے بارے میں قابلِ اعتماد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پسِ منظر میں ایک خاص واقعہ ہے اور وہ یہ ہے کہ غزوۂ بدر سے واپسی پر آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے ساتھی اہلِ ایمان کا گزر بنی قینقاع کے بازار سے ہوا اور وہاں آپ نے

یہود کو دعوتی خطبہ ارشاد فرمایا - جواب میں یہود بنی قینقاع نے انتہائی
گستاخانہ انداز میں کہا کہ : " بدر کی فتح سے دھوکا نہ کھانا جب ہم سے
مقابلے کی نوبت آئی تو چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا -" اس پر یہ آیات نازل
ہوئیں - چنانچہ ان میں اہلِ کتاب پر سخت تنقید بھی ہے اور انہیں شدید
تہدید و وعید بھی - اور ساتھ ہی اہلِ ایمان کو متنبہ کر دیا گیا ہے کہ ان سے
میل جول اور قریبی تعلقات اور دلی دوستی رکھنے سے پرہیز کریں -
(۲) نصف اوّل کے جزو ثانی کا آغاز انبیاء و رُسل کے عظیم سلسلے کے حوالے
سے ہوتا ہے جس میں آدم و نوح اور آلِ عمران کے نام خصوصیت کے ساتھ
لئے گئے - اس کے فوراً بعد حضرت مریمؑ کی والدہ ماجدہ کا ذکر ہوا اور پھر خود
حضرت مریمؑ اور اُن کی نیکی و عبادت گزاری اور طہارت و پاک دامنی کی
تفصیلات بیان ہوئیں اور پھر اُسی کے حوالے سے حضرت زکریاؑ کی دُعا اور
اُس کی اجابت و قبولیت اور حضرت یحییٰؑ کی ولادت کا ذکر ہوا جو بجائے
خود ایک خرقِ عادت بات تھی اس لئے کہ حضرت زکریاؑ بھی اس وقت
بہت ضعیف ہو چکے تھے اور اُن کی اہلیہ یعنی حضرت یحییٰؑ کی والدہ بھی نہایت
بوڑھی تھیں اور تمام عمر بانجھ رہی تھیں - یہ گویا تمہید ہے حضرت مسیح علیہ
السلام کی خرقِ عادت ولادت کے ذکر کی - چنانچہ پھر بیان کا رُخ حضرت مریمؑ اور
حضرت مسیحؑ کی جانب مڑ گیا اور اُن کے معجزات اور حالات و واقعات کے ذکر
کے بعد اصل حقیقت کو بے نقاب کر دیا گیا کہ حضرت مسیحؑ نہ خود خدا تھے نہ خدا
کے بیٹے بلکہ اللہ کے رسولؑ اور اس کے بندے اور مخلوق تھے - اُن کی ولادت
ضرور بغیر باپ کے ہوئی اور انہیں معجزات بھی نہایت عظیم عطا کیے گئے
لیکن یہ سب کچھ اللہ کی قدرت سے ہے نہ کہ کسی اور کے ارادہ و اختیار
سے - اگر حضرت یحییٰؑ کی خلافِ عادت ولادت ان کی اُلوہیت کی دلیل نہیں
تو حضرت عیسٰیؑ کی ولادت میں طبعی قانون اگر تھوڑا سا مزید ٹوٹتا نظر آتا ہے
تو آخر اس سے ان کا خدا یا خدائی میں شریک ہونا کیسے لازم آگیا ؟ جیسا کہ

عرض کیا جا چکا ہے یہ عظیم خطبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم پر ۹ھ میں نجران کے عیسائیوں کے وفد کی آمد کے موقع پر نازل ہوا تھا۔ چنانچہ اس کے آخر میں انہیں مُباہلے کا چیلنج بھی دے دیا گیا ہے اور روایاتِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ وہ ایمان سے تو محروم ہی لوٹ گئے لیکن مُباہلہ کا چیلنج قبول کرنے کی جراَت نہ کر سکے!

(۳) نصف اوّل کے جزوِ ثالث میں جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا گیا تھا اہل کتاب کو دعوت بھی ہے اور ملامت بھی۔ چنانچہ اس کا آغاز اُس عظیم آیت سے ہوتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے :۔

"(اے نبی!) کہہ دو، اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے مابین مشترک ہے، یعنی یہ کہ ہم بندگی نہ کریں اللہ کے سوا کسی کی، اور شریک نہ کریں اس کے ساتھ کسی کو اور نہ بنا لیں اللہ کے سوا ایک دوسرے کو ربّ اور معبود!"

اس اصولی اِشتراک کے بعد دعوت کے ضمن میں بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل دونوں کے مشترک جدِّ امجد کا ذکر کیا گیا اور اُن کے بارے میں فرمایا گیا کہ نہ وہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ ان کا دین بھی وہی اسلام تھا جس کی دعوت نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلّم دے رہے ہیں۔ اس ضمن میں سورۂ بقرہ کے مانند یہاں بھی خانہ کعبہ کا ذکر بھی کیا گیا کہ خدائے واحد کی پرستش کے لئے رُوئے ارضی پر تعمیر کیا جانے والا پہلا گھر وہی ہے۔ جس کی تولیّت اسماعیل اور بنی اسمٰعیل کو عطا کی گئی۔

اِس دعوت کے ساتھ ساتھ اُن کی اخلاقی وعملی اور فکری واعتقادی گمراہیوں پر تنقید بھی کی گئی۔ اور گویا سورۂ بقرہ میں جو فردِ قرار دادِ جرم تفصیل کے ساتھ بیان ہوئی تھی اُس کا خلاصہ دوبارہ سامنے رکھ دیا گیا۔

(۴) نصفِ ثانی کے جزوِ اوّل میں سب سے پہلے مسلمانوں کو خبردار کیا گیا کہ اگر وہ

اپنی سادہ لوحی کے باعث اہلِ کتاب کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو گئے تو وہ انہیں اسلام سے واپس کفر کی جانب پھیر لے جائیں گے۔

و پھر تین ہدایتیں بنیادی دی گئیں ایک یہ کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو۔ صحیح روایات کی رُو سے اس کی وضاحت آنحضورؐ نے فرما دی کہ اللہ کی رسّی سے مرادِ اللہ کی کتاب ہے، اور تیسرے یہ کہ تفرقہ و اختلاف کو راہ نہ دو اور متحد و متفق رہو۔

و پھر مسلمانوں کو اُن کے فرضِ منصبی سے آگاہ کیا گیا کہ: "تم وہ بہترین اُمّت ہو جسے دنیا والوں کے لئے برپا کیا گیا ہے۔ تمہارا کام یہ ہے کہ نیکی کا حکم دو۔ بدی سے روکو اللہ پر بھروسہ رکھو!" —— یہ گویا وہی مضمون ہے جو سُورۃ بقرہ میں اُمّتِ مسلمہ کی غرضِ تاسیس کی بحث کے ضمن میں 'شہادت علی النّاس' کی اصطلاح کے ذریعے بیان کیا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں یہ عملی ہدایت بھی دے دی گئی کہ اگر خدانخواستہ کبھی اُمّت بحیثیّتِ مجموعی اس فریضے سے غفلت برتنے لگے تب بھی اُمّتِ مسلمہ میں کم از کم ایک جماعت تو ضرور ایسی رہنی چاہیئے جو اسے اپنا مقصدِ زندگی اور فریضۂ حیات بنا لے۔

(۵) نصفِ ثانی کے دوسرے جزو میں غزوۂ اُحد کے حالات و واقعات پر تفصیلی تبصرہ ہے اور بالخصوص ان کمزوریوں کو نمایاں طور پر بیان کیا گیا ہے جو دعوتِ اسلامی کے اس اہم اور نازک مرحلے پر مسلمانوں کی بعض جماعتوں کی جانب سے ظاہر ہوئیں۔ اور جن کے نتیجے میں فتح عارضی طور پر شکست میں تبدیل ہو گئی اور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی زخمی ہوئے اور ستّر مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ اس سلسلہ کی اہم ترین آیت وہ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

"اور اللہ نے تو تم سے اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا جب تم انہیں
اس کی تائید و نصرت کے طفیل تہِ تیغ کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ تم
نے خود ہی ڈھیلے پن کا مظاہرہ کیا اور حکم کے بارے میں جھگڑا کیا
اور نافرمانی کا ارتکاب کیا۔ اس کے بعد کہ اللہ نے تمہیں وہ چیز
(یعنی فتح یا مالِ غنیمت) دکھا دی جو تمہیں محبوب ہے، تم میں کچھ
ایسے بھی ہیں جو اصلاً دنیا کے طالب ہیں اور وہ بھی ہیں جو آخرت
کے طلب گار ہیں ـــــ چنانچہ اللہ نے تمہارا رُخ اُن کی جانب
موڑ دیا تاکہ تمہیں آزمائش کی بھٹی میں تپائے۔ اور بالآخر تمہیں
معاف بھی کر دیا، واقعہ یہ ہے کہ اللہ مومنین کے حق میں بڑا بخشندہ
و مہربان ہے۔"

قرآن مجید میں یہ مقام، اہلِ ایمان کو جو آزمائشیں اللہ کی جانب سے پیش
آتی ہیں اُن کے ضمن میں حد درجہ جامع اور اہم ہے۔ چنانچہ ایک طرف تو یہ
واضح کیا گیا کہ اہلِ ایمان کے لئے ابتلاء و آزمائش اللہ کی سُنّتِ ثابتہ ہے اور
اس سے کسی کو مفر نہیں ـــــ دوسری طرف اس ابتلاء و آزمائش کی
حکمت بھی بیان کر دی کہ ان ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ کون کتنے پانی میں ہے
ـــــ اور پانی کہاں کہاں مرتا ہے تاکہ جماعت اپنی تطہیر اور تمحیص
کر لے اور آئندہ کے مراحل کے لئے مزید چاق و چوبند ہو جائے۔ تیسری طرف
اس ضمن میں مُنافقین کا کردار بھی واضح کر دیا گیا تاکہ مسلمان اپنی جماعت
کے اس ففتھ کالمسٹ عنصر سے خبردار ہو جائیں۔

یہ مضامین اس سُورۂ مبارکہ میں بہ اعادہ و تکرار آیات ۱۴۰ تا ۱۴۲،
پھر آیات ۱۵۲، ۱۵۴، پھر آیات ۱۶۵ تا ۱۶۸، اور بالآخر نہایت جامع
انداز میں آیت ۱۷۹ میں بیان ہوئے ہیں۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔
"اللہ کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ تمہیں چھوڑ دے اس حال میں جس

میں تم ہو وہ تو جانچ پرکھ جاری رکھے گا ، یہاں تک کہ پاک سے ناپاک کو بالکل جدا کر دے !"

اور اس سلسلہ میں اس سورت میں بھی وہ مضمون دوبارہ بیان کر دیا گیا جو اس سے قبل سورۂ بقرہ کے رکوع ۱۹ میں بیان کیا گیا تھا کہ :

"جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھو ، وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں اور خود بھی اللہ کی داد و دہش سے فرحاں و شاداں ہیں اور اپنے پیچھے رہ جانے والے صاحبِ ایمان ساتھیوں کے بارے میں بھی خوشیاں منا رہے ہیں کہ اُن کے لئے نہ کوئی خوف ہے نہ غم !"

(۶) آخری حصہ جو خاتمۂ کلام کی حیثیت رکھتا ہے ، دو رکوعوں پر مشتمل ہے ۔

و پہلے یعنی سورۃ کے انیسویں رکوع میں ایک بار پھر اس کشمکش کی جانب اشارہ کر دیا گیا جو اہلِ ایمان اور اہلِ کتاب کے مابین خصوصاً غزوۂ اُحد کے بعد شدّت اختیار کر گئی تھی ۔ اس میں اہلِ کتاب کو اسی تہدید و تنبیہ اور اہلِ ایمان کو ان ہی ہدایات کا اعادہ کیا گیا جو اس سے قبل تفصیل سے آ چکی ہیں ۔

و اور آخری رکوع کی دس آیات وہ ہیں جن کی حد درجہ فضیلت وارد ہوئی ہے صحیح احادیث میں ، جن سے خصوصی شغف تھا آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ، جن میں خلاصہ آ گیا اس استدلال کا جو توحید ، مَعاد اور رسالت کے ضمن میں قرآنِ حکیم کی مکّی سورتوں میں تفصیل کے ساتھ وارد ہوا ہے ۔ اور جس میں نقشہ کھینچ دیا گیا ہے اہلِ ایمان کی جاں نثاری ، سرفروشی ، اور غلبۂ دینِ حق کے لئے گھر بار چھوڑنے ، اعزّہ و اقرباء سے قطعِ تعلّق کرنے اور جہاد و قتال کے معرکے سر کرنے اور جان کی بازی لگا دینے کا ۔ اس رکوع میں سورۂ بقرہ ہی کے مانند ایک عظیم دُعا بھی آ گئی ہے یعنی :

"اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ کارخانہ بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے۔ تو اس بات سے پاک ہے کہ کوئی عبث کام کرے۔ سو تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ اے ہمارے رب جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا بے شک اس کو تو نے رسوا کر دیا اور ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا۔ اے ہمارے رب! ہم نے ایک پکارنے والے کو سُنا ایمان کی دعوت دیتے کہ لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ، تو ہم ایمان لائے، اے ہمارے رب ہمارے گناہوں کو بخش دے، ہماری برائیوں کو ہم سے دُور کر دے اور ہمیں موت اپنے وفادار بندوں کے ساتھ دے۔ اے ہمارے رب! اور ہمیں بخش وہ کچھ جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے وعدہ فرمایا ہے اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کیجیو۔ بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔"

—— اور اس کا اختتام ہوا اس حد درجہ جامع آیت پر کہ:

"اے اہلِ ایمان! صبر سے کام لو۔ مقابلے میں پامردی کا ثبوت دو اور حفاظت و مدافعت میں چوکس رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

تقریر نمبر ۴

ابتدائی طویل مدنی سُورتوں کا دُوسرا جوڑا

قرآن مجید کی ابتدائی چار طویل مدنی سُورتوں کا دوسرا جوڑا سُورۂ نساء

اور سورہ مائدہ پر مشتمل ہے اور ان دونوں کے مابین سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کی طرح صوری و معنوی دونوں قسم کی مشابہتیں موجود ہیں ۔ چنانچہ معنوی مشابہتوں کے ضمن میں دونوں میں ایک طرف تو گویا شریعتِ اسلامی کی تکمیل ہو گئی ہے اور سورۂ نساء میں عائلی اور خاندانی سطح پر اور سورۂ مائدہ میں معاشرتی و ملّی سطح پر مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعی کے ضمن میں تکمیلی ہدایات دے دی گئی ہیں ۔ اور دوسری طرف یہود و نصاریٰ سے بھی آخری باتیں ہو گئی ہیں ـــــ اور ظاہری مشابہتوں کے ضمن میں نمایاں ترین چیزیں یہ ہیں کہ دونوں کا آغاز بھی بلا تمہید ہوا ہے یعنی نہ حروف مقطّعات آئے ہیں نہ اور کوئی تمہیدی کلام بلکہ خطاب کا آغاز براہِ راست : " یَآ اَیُّھَا النَّاسُ " ـــــ اور : " یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا " ـ کے الفاظ سے ہو گیا ہے ۔ اور اسی طرح دونوں کا اختتام بھی نہایت سادگی سے ہو گیا ہے ـــــ اور ایک اور مشابہت جو قدرے غور کرنے پر نظر آتی ہے ، یہ ہے کہ ان دونوں کو سورۂ بقرہ اور آل عمران کی طرح نصف نصف میں تقسیم کرنا ممکن نہیں ہے بلکہ ان میں مضامین باہم زیادہ گتھے ہوئے ہیں ۔

سورۂ نساء

سورۂ نساء کے مضامین کے تجزیئے کے ضمن میں دو باتوں کو پیشگی طور پر جان لینا بہت مفید ہے یعنی :

ایک یہ کہ اس میں خطاب تین گروہوں سے ہے ایک اُمّتِ مُسلمہ سے بحیثیت اُمّتِ مُسلمہ ، دوسرے اُمّتِ مُسلمہ کے ففتھ کالمسٹ عنصر یعنی منافقین سے اگرچہ ان کو بھی مخاطب : یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا کے پردے ہی میں کیا گیا ہے اور تیسرے اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے

اور دوسرے یہ کہ ان تینوں سے خطاب ایک ایک بار ہی نہیں ہوگیا ہے بلکہ وقفے وقفے سے ہوا ہے ۔ چنانچہ اُمّتِ مُسلمہ کو خطاب پہلے تو آیات ۱ تا ۴۲ میں ہے پھر دوسری بار آیات ۱۲۷ تا ۱۳۵ میں اور پھر آخری آیت یعنی ۱۷۶ میں ـــــ اسی طرح اہلِ کتاب سے گفتگو پہلے آیات ۴۴ تا ۵۷ میں آئی ہے اور پھر آیات ۱۵۳ تا ۱۷۵ میں ، اور مُنافقین سے خطاب پہلے آیات ۵۸ تا ۱۲۶ میں ہوا ہے اور پھر آیات ۱۳۶ تا ۱۵۲ میں ۔

اِن حِصص کی تعیین کے بعد اب ایک ایک جُزء کے مضامین پر بحیثیتِ مجموعی نگاہ ڈالیئے :

خطاب بہ اُمّتِ مُسلمہ

اس سُورۃ مبارکہ کے وہ حصّے جن میں اُمّت مُسلمہ سے بحیثیتِ اُمّتِ مُسلمہ خطاب فرمایا گیا ہے بحیثیتِ مجمُوعی سُورہ بقرہ کے نصفِ ثانی سے بہت مُشابہت رکھتے ہیں ۔ چنانچہ ان میں شرعی احکام بھی ہیں اور اخلاقی تعلیمات بھی اور دین کے اساسی عقائد کے مُباحث بھی ہیں اور فلسفہ و حکمت کے ذیل میں نہایت جامع تعلیمات بھی ۔

احکامِ شرعی : احکامِ شرعی کے ذیل میں اس سُورۃ مبارکہ میں سب سے زیادہ تفاصیل عائلی و خاندانی زندگی سے متعلق آئی ہیں اور چونکہ خاندانی اور سماجی زندگی کا نقطۂ آغاز ایک گھر کی آبادی اور ایک مرد اور ایک عورت کا ازدواجی رشتے میں منسلک ہونا ہے لہذا سب سے زیادہ تفصیلی احکام اسی کے ضمن میں دیئے گئے ہیں ۔ چنانچہ اس کا آغاز ہی اُس آیت سے ہوا ہے جسے گویا اس موضوع کے لئے جامع ترین عنوان کی حیثیت حاصل ہے ۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل بجا طور پر اسے خطبۂ نکاح کا جزءِ لاینفک بنا لیا ۔ ارشاد ہوتا ہے :

"اے لوگو! تقویٰ اختیار کرو اپنے اس رب کا جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی سے بنایا اُس کا جوڑا بھی، اور پھر ان دونوں سے پھیلا دیا کثیر تعداد میں مردوں اور عورتوں کو ــــــ اور بچتے رہو اس اللہ کی نافرمانی سے بھی جس کا تم ایک دوسرے کو واسطہ دیا کرتے ہو اور قطع رحمی سے بھی ــ اور آگاہ رہو کہ اللہ تمہاری نگرانی فرما رہا ہے!"

اس جامع ہدایت کے بعد سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے متعلق حسبِ ذیل ہدایات دی گئی ہیں۔

(۱) آیات ۲ تا ۶ :۔ یتیموں کے حقوق کی نگہداشت اور اُن سے حسنِ سلوک کی تاکید۔

(۲) آیات ۷ تا ۱۴ : تقسیم وراثت کے ضمن میں اخلاقی تعلیم بھی اور قانونی ضابطہ بھی جس کا تکملہ و تتمہ آیت ۱۷۶ میں وارد ہوا۔

(۳) آیات ۱۵ تا ۱۶ :۔ جنسی بے راہروی کی روک تھام کے لئے تعزیرات کا بیان۔

(۴) آیات ۱۹ تا ۲۵ :۔ عورتوں کے ساتھ حُسنِ مُعاشرت کی تاکید اور اس ضمن میں حسبِ ذیل اہم امور کی وضاحت کہ :۔

(ا) عورت آزاد شخصیّت کی حامل اور قانونی تشخّص کی حقدار ہے، نہ کہ مردوں کی ملکیّت یا مالِ وراثت۔ (ب) عورتوں کو دیا ہوا مہر یا دوسرا مال واپس لینے کے لیئے ان کو بیجا تنگ کرنا اور ان پر تہمت لگانا انتہائی دناءَت اور کمینہ پن ہے ــ (ج) باپ کی منکوحہ بیٹے پر حرام ہے۔ (د) ان عورتوں کی تفصیل جن سے نکاح جائز نہیں۔ (ہ) نکاح کے اصل مقاصد گھر کی آبادی اور عصمت و عفّت کی حفاظت ہیں نہ کہ صرف شہوت رانی یا مستی

نکالی، چنانچہ اس کے کچھ شرائط ہیں جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہے (و) جو لوگ آزاد اور خاندانی مسلمان عورتوں سے نکاح کی استطاعت نہ رکھتے ہوں انہیں بدرجۂ مجبوری لونڈیوں سے نکاح کی اجازت۔ (ز) تعددِ ازدواج کی صورت میں عدل کی شرط[1] (ح) اور پھر آیات ۱۲۷ تا ۱۳۴ میں مزید وضاحت کہ عدل میں صرف ان چیزوں کا لحاظ ہوگا جن میں ناپ تول ممکن ہو۔ دلی میلان و رغبت انسان کے اختیار سے باہر ہے لہٰذا اس پر مؤاخذہ نہ ہوگا۔ البتہ یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ ایک بیوی کی طرف اس طرح جھک جایا جائے کہ دوسری بے چاری نہ خاوند والی شمار ہو نہ بے خاوند! ——— اور (ط) یہ کہ اگر میاں بیوی میں کسی طرح بھی موافقت پیدا نہ ہو سکے تو بدرجۂ مجبوری طلاق کا راستہ اختیار کر لینے میں کوئی قباحت نہیں۔ طلاق اللہ کو ناپسند تو ہے لیکن حرام نہیں! ہو سکتا ہے کہ اللہ دونوں کے لئے بہتر صورت پیدا فرما دے۔

(ی) گھریلو زندگی اور خاندانی نظام کے بارے میں ان تفصیلی احکام کے ساتھ اس سورۂ مبارکہ میں عائلی نظام کے ضمن میں اہم اصولی مباحث بھی وارد ہوئے۔ چنانچہ آیات ۳۲ تا ۳۵ میں تین اہم حقائق بیان ہوئے۔

ایک یہ کہ اللہ کی تخلیق میں بعض کو بعض پر مختلف پہلوؤں سے فضیلت عطا ہوئی ہے۔ بندوں کا کام یہ ہے کہ اسے خوشدلی سے قبول کریں۔ دوسرے یہ کہ عورتوں کے مقابلے میں مردوں کو بعض اعتبارات سے فضیلت حاصل ہے اور خاندانی نظام کی صحت و درستی مرد کی قوامیت ہی کے اصول پر اُستوار ہو سکتی ہے۔ تیسرے یہ کہ نکاح کا بندھن اتنا معمولی نہیں ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر توڑ دیا جائے،

---

[1] یہ مضمون سورۃ کے بالکل آغاز میں آیت ۳ میں وارد ہوا ہے۔

عدم موافقت اور باہمی نزاع واختلاف کی صورت میں جانبین کے اعزہ واقربا کو اصلاحِ حال کی سر توڑ کوشش کرنی چاہیئے۔

حکمت و معرفت

نظامِ عائلی کے بارے میں ان حکیمانہ مباحث کے علاوہ سورۂ بقرہ کی طرح اس سورۂ مبارکہ میں دین کے بنیادی فلسفے اور حکمت کے بعض گراں قدر موتی بھی جابجا جڑ دیئے گئے ہیں، چنانچہ :-

(۱) آیات ۲۶ تا ۲۸ میں نفسِ شریعت کے بارے میں اِفراط و تفریط کی نشان دہی کی گئی یعنی یہ کہ بعض لوگوں کو تو شریعت فی نفسہٖ ایک ناگوار بوجھ نظر آتی ہے۔ حالانکہ وہ انسان کو فوز و فلاح سے ہمکنار کرنے اور اس کی زندگی کے گوناگوں مسائل و معاملات کو ایک حد درجہ حسین اعتدال و توازن کے ساتھ منضبط کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور دوسری طرف بعض لوگ شریعت میں اپنی مشکل پسند طبیعت کے باعث سختی پیدا کرتے چلے جاتے ہیں۔ جس سے لوگوں کی گردنوں پر واقعتہً بہت بھاری بوجھ آجاتا ہے۔ اِن دونوں رحجانات سے بچنے کی شدید ضرورت ہے۔

(۲) آیات ۲۹ تا ۳۱ میں واضح کیا گیا کہ نظامِ شریعت میں اِحترام جان و مال کو بنیادی اہمیت حاصل ہے ــ اور معاصی کے ذیل میں واضح کیا گیا کہ اگر انسان اپنے آپ کو کبیرہ گناہوں سے بچالے تو اللہ تعالےٰ صغیرہ گناہوں کو بخش دے گا۔

(۳) آیات ۱۷، ۱۸ میں توبہ کے بارے میں واضح کیا گیا کہ ایک توبہ تو وہ ہے جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے یعنی اُس شخص کی توبہ جس سے گناہ جذبات کی رَو میں سرزد ہو گیا ہو اور وہ فوراً ہی رجوع کر لے ـــــ اور دوسری توبہ وہ ہے جس کی قبولیت کا کوئی اِمکان نہیں۔ یہ ان لوگوں کی توبہ ہے جو جان بوجھ کر معصیت میں زندگی بسر کر دیتے ہیں اور

جب موت سرہانے آکھڑی ہوتی ہے تب توبہ کرتے ہیں - ان دو انتہاؤں کے مابین معاملے کا ذکر حذف کر دیا گیا تاکہ انسان خوف اور رجاء کے بین بین رہے -

(۴) آیات ۳۶ تا ۴۰ میں نہایت جامعیت کے ساتھ دین کے اساسی احکام کا خلاصہ پیش فرما دیا گیا، کہ دین کا اصلُ الاُصول تو ہے توحید - چنانچہ وہ سب سے بڑا گناہ جس کی بخشش نہیں ہوگی، شرک ہے - اس کے بعد معاملہ ہے ادائے حُقوق اور حُسنِ سلوک کا، جس میں سرِ فہرست ہیں والدین، پھر رشتہ دار، پھر یتامیٰ و مساکین، پھر پڑوسی خواہ وہ رشتہ دار ہو خواہ اجنبی اور خواہ اُس کے ساتھ نہایت مختصر عرصہ کے لئے عارضی ساتھ ہو گیا ہو، اور پھر ہیں مسافر! اور پھر ادائے حقوق سے گفتگو کا رُخ مڑ گیا انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید اور بخل کی مُذمّت کی طرف -

(۵) آیات ۴۱، ۴۲ میں نقشہ کھینچ دیا گیا عدالتِ اُخروی کا جس میں قوموں اور اُمتوں کے مُحاسبے کے وقت سرکاری گواہوں کی حیثیت سے پیش ہوں گے اُن کے انبیاء و رُسُل - اس ضمن میں وہ آیت قابلِ توجہ ہے جس کی قرأت حضرت عبدؓاللہ بن مسعود سے سُن کر آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے، اور جس کا ترجمہ یہ ہے :-

"تو کیا ہوگا اُس دن جب کہ ہم ہر اُمّت میں سے اُس کے خلاف ایک گواہ کھڑا کریں گے - اور آپ کو کھڑا کریں گے (اے نبی!) ان لوگوں کے خلاف گواہ کی حیثیت سے، اس روز وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہوگا، یا رسُولؐ کی نافرمانی کی ہوگی، خواہش کریں گے کہ وہ زمین میں دھنس جائیں اور زمین ان پر برابر کر دی جائے — اور وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے!"

یہ گویا اسی "شہادت علی النّاس" کا اُخروی پہلو ہے جس کا ذکر سُورۃ بقرہ میں آیا اور جس طرح سُورۃ بقرہ میں اس کے معًا بعد مسلمانوں کو ہدایت

کی گئی تھی کہ اس عظیم منصب کی ذمّہ داریوں کی ادائیگی کے ضمن میں مدد حاصل کرو صبر اور صلوٰۃ سے —— اسی طرح یہاں بھی اس کے فوراً بعد آیت ۴۳ میں ذکر آیا نماز کا —— اور نماز کے ظاہری و معنوی موانع اور ان سے نجات حاصل کرنے کے ذرائع کا۔

اُصُولِ شہریّت

عائلی اور گھریلو زندگی سے بلند تر سطح پر ایک صالح اور صحت مند معاشرے کی تعمیر کے ضمن میں سورۃ نساء میں بعض نہایت اہم اور اصولی ہدایات بھی دی گئی ہیں چنانچہ (۱) آیت ۵۸ میں فرمایا گیا:

"اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حقداروں کے سپرد کرو اور جب تم لوگوں کے مابین فیصلہ کرنے لگو تو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ یہ بہت ہی اعلیٰ اور عمدہ نصیحت ہے جو اللہ تمہیں کر رہا ہے۔ اور اللہ تو ہے ہی سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا۔"

اور ظاہر ہے کہ ادائے امانت اور قیامِ عدل و انصاف کے بغیر کسی بھی صحتمند اجتماعی نظام کی تعمیر کی توقع نہیں کی جا سکتی!

(۲) پھر آیت ۸۵ میں فرمایا: "جو کوئی سفارش یا تائید کرے گا بھلائی کی تو اس کے اجر میں سے اُسے بھی حصہ ملے گا اور جو کوئی سفارش یا تائید کرے گا برائی کی تو خود بھی اُس کے وبال میں شریک ہو کر رہے گا، اور اللہ ہر ہر چیز کا پورا پورا احساب رکھنے والا ہے!" —— ظاہر ہے کہ یہ بھی حیاتِ اجتماعی کا زرّیں اُصول ہے اور یہ وہی بات ہے جو اگلی سُورت یعنی سُورۂ مائدہ میں ان الفاظ میں آئے گی: "اور تعاون کرو بِرّ و تقویٰ کے ہر کام میں اور ہرگز تعاون نہ کرو کسی بھی گناہ یا ظلم کے کام میں!"

(۳) پھر آیت ۸۶ میں ارشاد فرمایا: "جب تمہیں سلام کیا جائے

یا دُعا دی جائے تو تم بھی جواباً اس سے بہتر طور پر سلام کرو یا دعا دو ورنہ کم ازکم اسی انداز میں لوٹا دو، اور اللہ ہر ہر چیز کا حساب لینے والا ہے!" ــــــ یہ گویا آداب کی تعلیم ہے اور اس سے اسلامی معاشرے میں محبت و یگانگت کے احساسات پروان چڑھتے ہیں۔

اس سلسلہ کی اہم ترین کڑی آیت ۱۳۵ ہے جس میں فرمایا گیا: "اے اہلِ ایمان! پوری قوت و استقامت کے ساتھ عدل و انصاف کے علمبردار اور اللہ کے گواہ بن کر کھڑے ہو جاؤ!" ــــــ یہی ہدایت الفاظ کی ترتیب کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ سورۂ مائدہ آیت ۸ میں آئی ہے ــــــ اور یہ گویا اسی فرضِ منصبی کی ادائیگی کی تاکید ہے جس کے لئے اُمّتِ مُسلمہ برپا کی گئی یعنی خلق پر خالقِ ارض و سماء کی جانب سے قولی و عملی شہادت اور اتمامِ حُجّت! اور اس پر ختم ہوتا ہے اس سُورۂ مبارکہ کے ان حصص کے مضامین کا خلاصہ جن میں خطاب اُمّتِ مُسلمہ سے بحیثیت اُمّتِ مسلمہ ہوا ہے۔

خطاب بہ اہلِ کتاب

اہلِ کتاب کے ساتھ سُورۂ نساء میں خطاب بہت مختصر ہے یعنی پہلے آیات ۴۴ تا ۵۷ میں اور پھر آیات ۱۵۳ تا ۱۷۵ میں، اور ان میں بھی جہاں تک یہود کا تعلّق ہے ایک تو انداز براہِ راست گفتگو کا نہیں بلکہ بر سبیلِ تذکرہ اور بالواسطہ خطاب کا ہے۔ اور دوسرے رنگ دعوت کا نہیں بلکہ تمام تر ملامت اور زجر و توبیخ کا ہے۔ البتہ نصاریٰ کے ساتھ گفتگو براہِ راست بھی ہے اور اس میں تہدید و تنبیہ کے ساتھ ساتھ دعوت اور افہام و تفہیم کا رنگ بھی موجود ہے۔

چنانچہ اس سُورت میں ایک بار پھر یہود کے اُن جرائم کی فہرست سامنے آتی ہے جن کی تفصیل سُورۂ بقرہ میں بیان ہو چکی ہے۔ جیسے اللہ کی کتابوں

میں لفظی و معنوی تحریف یا صرف زبان کو توڑ موڑ کر یا لہجے کی تبدیلی سے الفاظ کے معانی کا بدل دینا۔ حضرت موسیٰ سے اُن کا یہ کہنا کہ ہم نہیں مانیں گے جب تک کہ خدا کو خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ پھر نبی کی زندگی ہی میں بچھڑے کو معبود بنا لینا اور بدترین اور عُریاں ترین شرک کا مُرتکب ہو جانا، حضرت مریمؑ پر بہتان باندھنا حضرت عیسیٰؑ کو اپنی امکانی حد تک تو سولی پر لٹکا کر ہی دم لینا، یہ دوسری بات ہے کہ اللہ نے انہیں اس سے بچا لیا اور آسمان پر اٹھا لیا۔ مزید برآں عملی و اخلاقی گراوٹوں کے ذیل میں سحر اور اعمالِ سُفلیہ سے دلچسپی رکھنا، سود کھانا اور لوگوں کے مال حرام طریقوں سے ہڑپ کر جانا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان سب کے باوصف صاحبِ دین و شریعت ہونے پر فخر کرنا اور تقویٰ اور پرہیزگاری کا ڈھونگ رچانا۔ وغیر ذٰلِکَ من السیئات!

اور ساتھ ہی نہایت زوردار الفاظ میں مسلمانوں کو مُتنبّہ کیا گیا کہ ان کی چکنی چپڑی باتوں پر مت جاؤ۔ ان کے دلوں میں حسد کی آگ جل رہی ہے اور وہ تمہاری دشمنی میں بالکل اندھے ہو چکے ہیں اور تمہیں گمراہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہے۔ ان کے لئے یہ چیز ناقابلِ برداشت ہے کہ دین و شریعت اور کتابِ الٰہی کے حامل ہونے کا مقام اور مرتبہ ان سے چھین کر تمہیں عطا کر دیا۔ چنانچہ اب وہ تمہیں ہر ممکن طریق سے گُمراہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

اس سورۂ مبارکہ میں یہ تنبیہات اس اعتبار سے بہت اہمیت کی حامل ہیں کہ ان کا ایک بڑا حصّہ جو اس کے نصف کے لگ بھگ ہے نفاق اور منافقین سے بحث کرتا ہے اور یہ مرض اصلاً یہود ہی کے چھوت سے مسلمانوں بالخصوص انصار کے دونوں قبیلوں یعنی اوس اور خزرج کے ایسے لوگوں کو لگا جو یا خود بھی ضعفِ ایمان کی کیفیت میں مبتلا

تھے اور دین کے بھاری تقاضے انفاقِ مال اور جہاد و قتال ان پر شاق گزر رہے تھے۔ گویا نفاق کی فصل کے لئے ان کے دلوں کی زمین پہلے سے تیار تھی جس میں یہود نے نہایت ہوشیاری اور مکاری سے اس مرض کے بیج بو دیئے، یا وہ بہت سادہ لوح تھے اور اپنی سادگی کے باعث یہود کی چکنی چپڑی اور بظاہر عالمانہ و فاضلانہ باتوں سے متأثر ہو جاتے تھے۔ الغرض انصار اور یہود کے دیرینہ روابط اور قدیم مراسم ہی وہ خطرہ اور اندیشہ کی جگہ بن گئے تھے جہاں سے نفاق کا مرض امتِ مسلمہ میں جڑ پکڑ رہا تھا۔

یہود کی شرانگیزی کی ایک بہت نمایاں مثال جو اس سورت میں بیان ہوئی وہ یہ ہے کہ انہوں نے بظاہر نہایت معصومیت کے ساتھ آنحضورؐ سے مطالبہ کیا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بصورتِ الواح لکھی ہوئی کتاب عطا کی گئی تھی۔ ہم آپ کی نبوّت کو تسلیم نہیں کریں گے جب تک آپ بھی ایسی ہی کتاب پیش نہ کریں، جس پر آیت ۱۶۳ سے آیت ۱۶۹ تک نبوّت و رسالت اور ارسالِ وحی و انزالِ کتب کے ضمن میں نہایت اہم حقائق بیان ہوئے۔ اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ وحی پہلے بھی کسی ایک ہی صورت میں نہیں آئی بلکہ مختلف صورتوں میں آتی رہی ہے۔ اور یہ بھی واضح کر دیا کہ بعثتِ رُسُل کی اصل غرض صرف انذار و تبشیر ہے تاکہ لوگوں پر اللہ کی طرف سے حجّت قائم ہو جائے اور اُن کے پاس خدا کے یہاں پیش کرنے کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے: رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

نصاریٰ کے ساتھ گفتگو کی تقریب اس سُورۃ مبارکہ میں یہود کے حضرت مریمؑ پر بہتان لگانے اور حضرت مسیحؑ کے بارے میں ان کے اس

گمان سے پیدا ہوئی کہ معاذ اللہ ہم نے انہیں قتل کر دیا اور سولی پر چڑھوا دیا۔ چنانچہ ایک طرف تو یہود کے اِن غلط دعاوی کی تردید کی گئی اور اصل حقیقت پر سے پردہ اٹھا دیا گیا اور دوسرے خود نصاریٰ سے خطاب کر کے فرمایا گیا۔

"اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں غُلو سے کام نہ لو۔ اور اللہ پر جھوٹ مت تراشو، مسیح عیسیٰ ابنِ مریم اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کے رسُول ہیں اور اس کا ایک خاص کلمہ جو اس نے مریم کی جانب القا کیا اور ایک رُوح اس کی جانب سے! پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور تثلیث کا دعویٰ نہ کرو۔ باز آجاؤ، اسی میں خیر ہے۔ اللہ تو بس اکیلا ہی معبود برحق ہے، وہ پاک ہے اس سے کہ اُس کے اولاد ہو۔ ویسے آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے سب اُسی کا ہے —— اور وہ کافی ہے بھروسے اور اعتماد کے لئے!! نہ مسیح کو اللہ کی بندگی میں کوئی عار ہے نہ ملائکۂ مقرّبین کو، اور جو کوئی اللہ کی بندگی میں عار محسوس کرے گا اور تکبّر کرے گا تو وہ ان سب کو جمع کرے گا۔ پھر جو لوگ ایمان والے بھی ہوں گے اور انہوں نے نیک عمل بھی کیئے ہوں گے، تو ان کو تو وہ بھرپور بدلہ بھی دے گا اور مزید فضل سے بھی نوازے گا، اور جنہوں نے عار و استکبار کی روش اختیار کی ہوگی انہیں دردناک عذاب دے گا اور وہ اللہ کے مقابلے میں نہ کوئی دوست پائیں گے نہ مددگار۔ اے لوگو! آچکی ہے تمہارے پاس تمہارے ربّ کی جانب سے دلیل و بُرہان بھی اور نازل کر دی ہے ہم نے تمہاری طرف واضح روشنی بھی —— تو جو لوگ اللہ پر ایمان لائیں گے اور اس کے دامن سے مضبوطی کے ساتھ وابستہ ہو جائیں گے تو انہیں وہ داخل کرے گا اپنی رحمت اور فضل کے سائے

میں اور رہنمائی فرمائے گا ان کی اس صراطِ مستقیم کی طرف جو سیدھی اس تک پہنچانے والی ہے۔"

تقریر نمبر ۵

خطاب بہ منافقین

سورۂ نساء کے وہ حصے جن میں روئے سخن منافقین کے جانب ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کے لگ بھگ نصف پر مشتمل ہیں۔ ان کے بارے میں دو باتیں اچھی طرح سمجھ لینی چاہئیں: ایک[1] یہ کہ چونکہ منافقین قانونی اعتبار سے اُمتِ مُسلمہ ہی کا جزو تھے لہٰذا اُن سے خطاب "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" ہی کے الفاظ سے ہُوا ہے۔ لیکن خطاب کا مضمون اور اُس کا سیاق و سباق بتا دیتا ہے کہ یہاں روئے سخن مومنینِ صادقین کے جانب نہیں بلکہ منافقین کی طرف ہے۔ اگر یہ حقیقت ملحوظ رہے تو بسا اوقات الفاظ کے عموم سے مُغالطے کے باعث صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے سوءِ ظن پیدا ہو سکتا ہے جو بڑی ہی قابلِ حذر بات ہے۔ — دُوسرے[2] یہ کہ منافقین کو زجر و توبیخ کے ضمن میں دین کے وہ تمام اُمور تفصیلاً زیرِ بحث آ گئے ہیں جو اُن پر گراں اور شاق گزرتے تھے اور اس طرح دین کے گراں اور ثقیل تقاضوں کے بیان کے ضمن میں سورۂ نساء کے اُن حصّوں نے نہایت اہم اور جامع مقام کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔

رسُول کی کُلّی اطاعت اور کامل مُتابعت

دین کے ان بھاری تقاضوں میں سے

اوّلین اور اہم ترین ہے رسُول کی کُلّی اطاعت اور کامل متابعت جو سرکش اور انانیت پسند طبائع پر ویسے بھی بہت شاق گزرتی ہے اور خاص طور پر جب اس میں جان و مال کے کسی نقصان کا بھی اندیشہ ہو تب تو یہ ان لوگوں پر بہت ہی گراں گزرتی ہے جن کے دلوں میں ایمان راسخ نہ ہو چکا ہو ـــــ چنانچہ سب سے پہلے آیت ۵۹ سے آیت ۷۰ تک اس موضوع پر کلام ہوا ـــــ اور واقعہ یہ ہے کہ اس موضوع پر یہ مقام قرآن مجید کا "ذِروۃ السّنام" ہے !!

(۱) اطاعتِ رسول کے ضمن میں سب سے پہلے تو اسلام میں اطاعت کے نظام کا حوالہ دیا کہ: "اے اہلِ ایمان ! اطاعت کرو اللہ کی، اور اطاعت کرو اُس کے رسُول کی ـــــ اور اپنے میں سے صاحبِ اختیار لوگوں کی اور اگر جھگڑ پڑو کسی معاملے میں تو لوٹا دو اسے اللہ اور رسُول کی جانب !" گویا اطاعت الٰہی کے مانند اطاعتِ رسُول بھی مستقل بالذات ہے ـــــ بقیہ تمام اطاعتیں ان دونوں اطاعتوں کے تابع اور اُن کے ساتھ مشروط ہیں !!

(۲) دوسری بات یہ واضح کی گئی کہ رسُول بھیجے ہی اس لئے جاتے ہیں کہ اُن کی اطاعت کی جائے - اُن کا کام مَعاذ اللہ چِٹھّی رسانوں کی طرح محض کتاب پہنچا دینا ہی نہیں ہے بلکہ وہ اپنی ذات میں مُطاع ہوتے ہیں ـــــ اور یہ اطاعت بھی اس درجہ کی مطلوب ہے کہ کسی معاملے میں اُن کا فیصلہ تسلیم نہ کرنا تو درکنار اگر تسلیم تو کر لیا لیکن دِلی رضامندی سے نہیں تو یہ بھی ایمان کے مُنافی ہوگا - (ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝)

(۳) اس تنبیہ کے ساتھ ہی مثبت طور پر اطاعت و اتباعِ رسُول کا مقام و مرتبہ بھی واضح کر دیا گیا کہ: جو لوگ اللہ اور رسُول کی اطاعت پر کاربند ہو جاتے ہیں ان کو مَعیت نصیب ہوگی اُن کی جن پر اللہ کا انعام ہوا یعنی انبیاء،

صدیقین، شہداء اور صالحین، اور کیا ہی اچھی ہے اُن کی رفاقت! اُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ط)

(۴) آگے چل کر آیت ۸۰ میں مزید واضح کر دیا گیا کہ رسُول کی اطاعت درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ اور رسُول کی نافرمانی دراصل اللہ کی نافرمانی ہے۔ (مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ)۔

قتال فی سبیل اللہ

دوسری چیز جو منافقین پر بہت گراں گزرتی تھی وہ تھا جہاد اور قتال کا حکم جس میں جان و مال کو کھپانا پڑتا تھا اور شدید خطرات مول لینا پڑتے تھے۔ چنانچہ آیت ۷۱ سے قتال فی سبیل اللہ کا موضوع شروع ہوا اور پہلے تو واضح الفاظ میں حکم دیا کہ اے اہلِ ایمان! اپنی حفاظت کا سامان (یعنی تیر و تلوار اور ڈھال وغیرہ) ہاتھ میں لو اور نکلو اللہ کی راہ میں جنگ کے لئے باقاعدہ فوج کشی کے انداز میں بھی اور چھاپہ مار جنگ کے طریقہ پر بھی! اور پھر ان لوگوں کو نہایت بلیغ پیرائے میں ملامت کی گئی جو اللہ کی راہ میں جنگ کرنے سے گریز کی راہیں تلاش کرتے رہتے ہیں اور کبھی جان بوجھ کر تاخیر و تعویق کے بہانے بنا کر پیچھے رہ جاتے تھے اور کبھی دہائی دیتے تھے کہ "اے رَبّ! تو نے ہم پر یہ قتال کیوں فرض کر دیا اور ہمیں مزید مہلت کیوں نہ دی؟" ـــــ اس ضمن میں ترغیب اور تشویق کے لئے ایک طرف حیاتِ دنیوی کے مقابلے میں حیاتِ اُخروی کی سعادتوں اور اللہ کے اجر و ثواب کا حوالہ دیا اور دوسری طرف اُن کی غیرت و حمیّت کو للکارا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں اور ان کمزور اور ستائے ہوئے مسلمانوں کی نصرت و امداد کی غرض سے جہاد نہیں کرتے جو مشرکین کے ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں اور تیسری طرف اس حقیقت کی جانب بھی توجہ دلائی کہ اگر موت کا خوف آڑے آ رہا ہے تو موت سے تو کوئی مفر نہیں، وہ تو خواہ تم پھر

والے قلعوں میں چھپ کر بیٹھ جاؤ وہاں بھی تمہیں آدبوچے گی۔

یہ مضمون آیت نمبر ۸۴ میں اپنے نقطۂ عروج (CLIMAX) کو پہنچ گیا ہے جس میں فرمایا گیا: "اے نبی! (اگر یہ اللہ کی راہ میں قتال سے جی چرائیں تب بھی) آپ جنگ کریں اللہ کے راستے میں آپ پر اصلاً صرف اپنی ہی ذمہ داری ہے۔ البتہ اہلِ ایمان کو اس کے لئے اُبھارتے رہیں۔ کیا عجب اللہ اہلِ کفر کی جنگی قوت توڑ دے، اور ظاہر ہے کہ سب سے قوی جنگ تو اللہ کی ہے اس آیت سے مومنین صادقین کے قلوب پر کیا قیامت گزری ہو گی۔ اور جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ کیسے تڑپ اٹھا ہوگا، اور ضعفِ ارادہ کا زنگ دلوں سے کیسے صاف ہو گیا ہوگا۔ اس کی ایک مثال اگلی سورت یعنی سورۂ مائدہ میں بھی ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول نقل ہوا ہے کہ جب بنی اسرائیل نے قتال سے انکار کیا تو انہوں نے بارگاہِ ربانی میں عرض کیا: "اے رب! مجھے سوائے اپنی ذات اور اپنے بھائی کے اور کسی پر کوئی اختیار حاصل نہیں!" فرق صرف یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی تو عظیم اکثریت نے قتال سے انکار کیا تھا اور اُمتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے صرف چند گنے چنے منافق تھے جنہوں نے جنگ سے جی چرایا۔

ہجرت جہاد و قتال کے ساتھ ساتھ تیسری چیز جو منافقین پر بہت شاق تھی وہ ہجرت کا حکم تھا اس لئے کہ گھر بار چھوڑنا اور اعزہ و اقرباء سے قطع تعلق کرنا آسان نہیں الاّ آنکہ دلوں میں ایمان پختگی کے ساتھ جاگزیں ہو گیا ہو! اس سلسلے میں واضح رہنا چاہیئے کہ ہجرت دراصل جہاد و قتال ہی کا پیش خیمہ تھی اس لئے کہ اسی سے ایک مقام پر جمع ہو جانے کے باعث مسلمانوں کا وہ مرکز (BASE) وجود میں آیا جس سے کفر و شرک کے خلاف اقدام کا امکان پیدا ہو سکا!

(۱) اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو آیات ۸۸، ۸۹ میں واضح کر دیا گیا کہ جو لوگ ہجرت کے حکمِ عام کے بعد بھی ہجرت نہ کریں وہ گویا ثابت کر دیتے ہیں کہ انہیں وطن یا گھر بار یا اعزہ و اقرباء یا جائیداد یا کاروبار وغیرہ زیادہ محبوب ہیں اللہ اور اُس کے رسُول اور اس کے دین اور اس کے غلبے کی سعی وجہد سے۔ اور یہی نِفاق کی اصل حقیقت ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو حکم دے دیا گیا کہ اُن سے کوئی واسطہ نہ رکھیں، اور اس سلسلہ میں کسی دلی تعلق یا مُصلحت کو آڑے نہ آنے دیں۔

(۲) اس کے بعد آیات ۹۷ تا ۱۰۰ میں مزید وضاحت کر دی کہ "کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جب ملائکہ ان کی جانیں قبض کرتے ہیں اور ملامت کرتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے ہو۔" یعنی تمہارے ایمان نے کیسے گوارا کر لیا کہ ہجرت نہ کرو بلکہ دارُالکفر ہی میں ڈیرہ لگائے رہو تو وہ عُذر پیش کریں گے کہ: "ہم مغلوب ہو گئے تھے اور ہمیں دبا لیا گیا تھا!" جواب ملے گا: "کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں کسی جانب ہجرت کر جاتے!" —— پھر صاف اعلان کر دیا گیا کہ: "اُن کا ٹھکانا جہنّم ہوگا اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔"

(۳) اس شدید وعید سے مُستثنیٰ کیا گیا صرف ان معذور و مجبور لوگوں یا عورتوں اور بچّوں کو جن کو نہ ذرائع سفر حاصل ہوں نہ راستہ ہی کا علم ہو۔

(۴) اور آخر میں ترغیب اور تشویق کے لئے وضاحت فرما دی گئی کہ جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ اللہ کی زمین میں وُسعت بھی پائے گا اور پناہ کی جگہیں بھی، بقولِ شاعر ؎

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے　　ہزار ہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہے!

اور یہ کہ جو اثنائے سفرِ ہجرت میں واصل بحق ہو گیا اس سے قبل کہ دارالہجرت یعنی مدینہ منوّرہ پہنچ سکے وہ اللہ کے یہاں مہاجر ہی شمار ہوگا اور اُس کا

اجر اللہ کے ذمّے ہے اس لئے کہ جیسا کہ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:
"اعمال کا دارومدار نیّتوں پر ہے!"

بعض ضمنی مُباحث

قتال فی سبیل اللہ اور ہجرت کے مباحث کے ساتھ ساتھ ضمنی طور پر بعض ایسے مسائل بھی زیر بحث آگئے جو اس مرحلے پر عملی مشکلات کے طور پر سامنے آئے۔

(۱) ان میں سے ایک کسی مومن کے ہاتھوں مومن کا قتل ہے۔ اس ضمن میں فرمایا گیا کہ کسی مومن کے قتلِ عمد کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہاں قتلِ خطا کا امکان موجود ہے۔ سو اس صورت میں ایک تو عام ضابطے کے مطابق مقتول کے ورثاء کو دیت دینی ہوگی اِلاّ یہ کہ وہ معاف کردیں اور اضافی طور پر ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہوگا۔ البتہ اس صورت میں کہ مقتول کسی کافر قبیلے سے تعلّق رکھتا ہو، دیت ادا نہیں کی جائے گی اور صرف مسلمان غلام کا آزاد کرنا کافی ہوگا۔ اور اگر وہ مُعاہد قبیلہ سے تعلّق رکھتا ہو تو دیت بھی دینی ہوگی۔ اور اگر کوئی شخص غلام آزاد کرنے کی اِستطاعت نہ رکھتا ہو تو اسے پے بہ پے دو ماہ کے روزے رکھنے ہوں گے —— آخر میں مُتنبّہ کردیا گیا کہ:
"اگر کسی مومن نے جان بوجھ کر یعنی عمداً کسی مومن کو قتل کیا تو اسے ہمیشہ کے لئے جہنّم میں جھونک دیا جائے گا!"

(۲) دوسری ہدایت یہ دی گئی کہ حالتِ جنگ میں بھی اگر کوئی شخص اسلام و ایمان کا اظہار کرے تو اس کے اسلام و ایمان کو قبول کرنے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

(۳) تیسرا معاملہ صلوٰۃِ خوف کا ہے جس کی طرف اجمالی اشارہ سورۂ بقرہ میں آگیا تھا اب اس کی تفصیلی صورت یہاں واضح کردی گئی خصوصاً آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی موجودگی میں جب کہ بجا طور پر ہر شخص آپ ہی کی اِمامت میں نماز ادا کرنے کا خواہش مند ہوتا تھا کہ پہلے ایک گروہ آپ کی امامت میں نماز ادا

کرلے اور بقیہ لوگ پہرے پر رہیں۔ پھر پہلا گروہ ان کی جگہ پہرے پر چلا جائے اور وہ لوگ آپ کے پیچھے نماز ادا کرلیں تاکہ کوئی بھی آپؐ کی اِقتداء کے شرف سے محروم نہ رہے! مزید تاکید فرمادی گئی کہ جیسے ہی حالات درست ہوں نماز کے نظام کو اُس کے تمام ضوابط و آداب کے ساتھ قائم کرلو۔

منافقین کی شرارتیں

اس کے بعد آیات ۱۰۵ تا ۱۲۶ ۔ یعنی سولہویں، سترھویں اور اٹھارہویں رکوع میں منافقین کی شرارتوں کا ذکر ہے۔ اور ان کے کردار کی پوری نشاندہی کردی گئی ہے تاکہ اہل ایمان ان کو اچھی طرح پہچان لیں اور کسی خاندانی یا گروہی عصبیت کے باعث ان کی حمایت پر آمادہ نہ ہوجائیں۔ اس ضمن میں آیت ۱۰۹ میں بڑی سخت وعید وارد ہوئی کہ :۔

"اس دُنیا کی زندگی میں تو تم ان کی جانب سے جھگڑلوگے لیکن سوچو کہ قیامت کے دن ان کی جانب سے کون مُدافعت کرے گا۔ یا کون اُن کا حمایتی اور وکیل بننے کی جرأت کرے گا؟"

اُن کی شرارتوں کے ضمن میں اُن کے نجویٰ کا ذکر بھی کیا گیا جو وہ اپنی نجی محفلوں میں آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اور مسلمانوں کے خلاف کیا کرتے تھے، اور اس کا بھی کہ غلطیاں خود کرتے تھے اور تھوپ دیتے تھے مخلص مگر سادہ لوح مسلمانوں پر۔ اور آخری بات جو ارشاد فرمائی گئی وہ یہ کہ چونکہ وہ یہود کے زیرِ اثر تھے ۔ لہٰذا اس سبب پر بھی ان ہی کی طرح کھوکھلی "امانی" کی بناء پر مغفرت ہی نہیں درجاتِ بلند کے اُمیدوار تھے ؏ :۔

"ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بہ کجا!" ——— چنانچہ آیت ۱۱۵ میں واضح کردیا گیا کہ : "جو شخص رسُول سے دشمنی رکھے گا اور مخلص اہلِ ایمان کا راستہ چھوڑ کر کوئی دوسری راہ اختیار کرے گا اسے اللہ تعالیٰ اُس کی شامتِ اعمال ہی کے حوالے کردے گا اور بالآخر وہ جہنّم میں جھونک دیا جائے گا!"

نفاق کی ماہیّت

سورۂ نساء میں منافقین سے خطاب کا دوسرا حصہ آیات ۱۳۶ تا ۱۵۲ پر مشتمل ہے اور اس میں آغاز ایک انتہائی مؤثر اپیل سے کیا گیا ہے یعنی "اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اُس کتاب پر بھی جو اُس پر نازل کی گئی اور اس کتاب پر بھی جو پہلے نازل کی گئی تھی!"

گویا ایمان کے دو درجے ہیں ایک ظاہری اور قانونی ایمان ——— یہ تو منافقین کو بھی حاصل تھا۔ دوسرا حقیقی اور قلبی ایمان جو عبارت ہے یقینِ محکم سے اور جس سے منافق بے بہرہ محض تھے۔ چنانچہ آیت میں ان ہی سے خطاب فرما کر کہا گیا ہے کہ اصل قلبی ایمان تک رسائی کی کوشش کرو اس لئے کہ اُخروی نجات کا دارومدار اسی پر ہے۔

پھر نفاق کی اصل حقیقت کو کھولا گیا کہ یہ ایمان اور کفر کے مابین تردّد اور تذبذب کی کیفیت کا نام ہے، کہ ایک قدم اِدھر ہے اور دوسرا اُدھر ——— چنانچہ آیت ۱۳۷ میں فرمایا:

"بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے، پھر کفر میں مبتلا ہوئے، پھر ایمان لائے، پھر کفر میں مبتلا ہو گئے اور پھر اُس میں بڑھتے چلے گئے۔ اللہ ان کو ہرگز نہ معاف فرمانے والا ہے نہ راہ یاب کرنے والا۔ ایسے منافقوں کو تو آپ اے رسول! دردناک عذاب ہی کی بشارت دے دیجئے!"

اور آیت ۱۴۳ میں فرمایا: "یہ مُذَبذَب ہو کر رہ گئے ہیں، نہ یکسوئی سے اِدھر ہوتے ہیں نہ اُدھر!"

منافقین کا کردار

پھر اس مقام پر دوبارہ ان کے کردار کی بعض جھلکیاں دکھا دی گئیں۔ کہ ایک یہ تو یہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں اور اُن کے ساتھ روابط و تعلقات کو بنائے شرف و عزت

جانتے ہیں اور دوسرے اتنے بے غیرت ہیں کہ اس واضح ہدایت کے باوجود بھی کہ : "اگر کہیں اللہ کی آیات کا مذاق اُڑایا جا رہا ہو تو وہاں سے اُٹھ جاؤ -" یہ وہیں بیٹھے رہتے ہیں، تیسرے یہ کہ اصل میں یہ منتظر ہیں کہ دیکھیں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے - اگر مسلمانوں کو فیصلہ کن فتح ہو جائے تو یہ کہیں گے کہ ہم بھی تو تمہارے ساتھ ہی تھے اور اگر کہیں کافروں کو غلبہ حاصل ہو جائے تو یہ اُنکے سامنے اپنی خدمات گنوائیں گے کہ ہم نے مسلمانوں کو ایسے معاملات میں اُلجھائے رکھا کہ وہ یکسوئی کے ساتھ تمہارے مقابلے میں نہ آ سکے - گویا یہ اللہ اور اہلِ ایمان کے ساتھ دھوکے بازی کا معاملہ کر رہے ہیں - حالانکہ اللہ ان کی رسّی دراز کر کے انہیں فریب میں مبتلا کر رہا ہے (واضح رہے کہ یہ وہی الفاظ ہیں جو سورۃ بقرہ کے دوسرے رکوع میں بھی وارد ہوئے تھے) —— آخر میں ان کی عبادت گزاری کا پول بھی کھول دیا گیا کہ یہ نمازیں پڑھتے تو ہیں لیکن انتہائی کسل مندی کے ساتھ اور صرف دکھاوے کی !

نفاق کا انجام اور اس کے بعد آئے وہ لرزہ خیز الفاظ جن سے اہلِ ایمان کے دل کانپ اُٹھتے ہیں یعنی : "اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا ۙ" ("منافقین آگ کے سب سے نچلے درجے میں ہونگے اور تم اُن کے لئے کوئی مددگار نہ پاؤ گے !") اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ ! اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنَ النِّفَاقِ وَالرِّیَاءِ - (اے اللہ ! ہم تیری پناہ میں آتے ہیں نفاق اور ریاکاری سے !) فاعذنا منهما یا ربّ العالمین -

تفریق بین اللہ و رسلہ اس طویل بحث کا اختتام اُسی مضمون پر ہوا ہے جس سے اُس کا آغاز ہوا تھا یعنی اللہ اور اُس کے رسولوں کے مابین تفریق کہ اللہ کو مانا جائے اور رسول

کا انکار کیا جائے، یا رسولوں میں سے بعض کو مانا جائے اور بعض کو نہ مانا جائے۔
یا اللہ کی اطاعت کا اقرار تو کیا جائے لیکن رسُول کی اطاعت شاق گزرے
—— یہ تمام صورتیں دراصل کفر ہی کی ہیں: " اُولٰٓئِكَ هُمُ
الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ":" خواہ وہ بزعمِ خویش مُسلم و مومن ہوں۔ غور کیا
جائے تو جس طرح سُورۂ بقرہ کے دوسرے رکوع میں جس کردار کی نقشہ کشی کی گئی
تھی اُس میں یہود اور منافقین دونوں پوری طرح فِٹ بیٹھتے تھے۔ اسی طرح
سُورۂ نساء کے اس مقام پر بھی جس گمراہی کی نشاندہی کی گئی اس میں یہ دونوں
گروہ شریک تھے اور دونوں کا مرض ایک ہی تھا یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم
سے بغض و عداوت اور اُن پر ایمان یا اُن کی اطاعت سے اِباء و اِعراض! اور
یہ اس لئے کہ نفاق کا پودا درحقیقت یہود ہی کا کاشت کردہ تھا اور اُس کی آبیاری
اُن ہی کے پروپیگنڈے اور ریشہ دوانی سے ہوتی تھی۔

آخر میں فرمایا کہ اس کے برعکس جو لوگ اللہ اور اس کے رسُولوں پر اس
شان کے ساتھ ایمان لائیں کہ اُن کے مابین کسی قسم کی تفریق کے مرتکب نہ ہوں
وہ ہیں درحقیقت صاحبِ ایمان، اور اُن کا اجر اُن کے رب کے پاس محفوظ
ہے۔ گویا بقول علامہ اقبال

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باُو نہ رسیدی تمام بولہبی است

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین

تقریر نمبر ۶

سُورۂ مائدہ

سُورۂ فاتحہ سمیت قرآن مجید کی پانچویں اور ابتدائی چار طویل مدنی سُورتوں

کے گروپ کی چوتھی اور آخری سورت، سورۂ مائدہ ظاہری اور معنوی دونوں اعتبارات سے زیادہ قریبی مشابہت تو رکھتی ہے سورۂ نساء سے، لیکن بحیثیتِ مجموعی اس پورے گروپ کے مشترک مضامین اس سورۂ مبارکہ میں تکمیل اور اتمام کو پہنچ گئے ہیں۔ چنانچہ اس میں :۔

ایک طرف تو شریعتِ اسلامی کا وہ قصرِ عظیم پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا ہے جس کا ابتدائی خاکہ سورۂ بقرہ میں تیار ہوا تھا اور جس میں خصوصاً گھریلو زندگی سے متعلق احکام کے ضمن میں مزید تفصیلی رنگ سورۂ نساء میں بھرا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورت میں شہنشاہِ ارض وسما کا وہ اہم فرمان بھی وارد ہو گیا کہ :۔ ـــــ " اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ط ! " (آج ہم نے تمہارے لئے اپنے دین کی تکمیل فرمادی اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام فرمادیا اور تمہارے لئے اسلام کو پسند اور قبول فرمالیا !) اور شریعت عطا کرنے کے بعد جس طرح سابقہ اُمتوں سے اُس کی پابندی کا پختہ عہد و پیمان لیا جاتا تھا۔ اسی طرح اُمتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے بھی لیا گیا اور اس طرح اس سورت نے گویا 'سورۂ میثاق' کی حیثیت اختیار کر لی۔ اور اس کا انتہائی موزوں عنوان قرار پایا ایفائے عہد کا حکم ـــــ یعنی : " یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ! " (اے اہلِ ایمان ! پورے کیا کرو جملہ عہد و پیمان اور قول و قرار !)

دوسری طرف اہلِ کتاب کو دعوت و ملامت اور اُن پر فی الجملہ اتمامِ حجّت کے ضمن میں بھی جو طویل مباحث پچھلی تینوں سورتوں میں آئے تھے اُن پر آخری مہر اس سورت میں ثبت فرمادی گئی اور یہ مضمون بھی اس سورت میں تکمیل کو پہنچ گیا۔

ان دو بنیادی موضوعات کے علاوہ جو مدنی سورتوں کے اس گروپ کیلئے بمنزلۂ عمود ہیں۔ دوسرے اہم مضامین بھی جو پچھلی سورتوں میں آئے، اس سورت

میں تکمیلی رنگ میں موجود ہیں۔ مثلاً شہادتِ حق اور اُس کے دُنیوی و اُخروی پہلو، جہاد فی سبیل اللہ اور اُس سے جی چرانے والے منافقین کو تنبیہ و ملامت اور عقاید و ایمانیات کے اساسی مباحث اور حکمت و معرفت کے قیمتی موتی۔

اس ابتدائی تعارف کے بعد آیئے کہ اس سُورت کے مضامین کا تفصیلی جائزہ لیں:۔

اس ضمن میں یہ وضاحت پہلے کی جا چکی ہے کہ سُورۂ نساء کی طرح اس سُورت میں بھی مضامین ایک مضبوط بٹی ہوئی رسّی کے مانند گتھے ہوئے ہیں بالکل علیٰحدہ علیٰحدہ حصّوں میں منقسم نہیں ہیں۔

شریعت کے تکمیلی احکام

شریعتِ اسلامی کے ضمن میں جو تکمیلی احکام اس سُورۂ مبارکہ میں نازل ہوئے وہ اجمالاً یہ ہیں:

۱۔ کھانے پینے کی چیزوں کی حِلّت و حرمت کے ذیل میں آیات ۳ تا ۵ میں سُورۂ بقرہ میں بیان شدہ ضابطے کی مزید تشریح۔ اور ایک طرف مردار، خون اور خنزیر کی فہرست میں مردار ہی کی مزید شرح کے طور پر گلا گھٹنے، چوٹ کھانے، اُونچائی سے گرنے یا کسی جانور کے سینگ مارنے سے مرے ہوئے جانوروں کا اضافہ ـــــ اور دوسری جانب شرک کی نجاستِ باطنی کی بنا پر حرام ہونے میں غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے جانے والے جانوروں کے ساتھ اُن کا بھی شامل کیا جانا جو کسی استھان پر ذبح کئے گئے ہوں خواہ نام اللہ ہی کا لیا گیا ہو۔ مزید برآں سدھائے ہوئے شکاری جانوروں کے ذریعے حاصل شدہ شکار، اہلِ کتاب کے ذبیحے، اور درندوں کے پھاڑے ہوئے جانوروں کے حلال ہونے کی صراحت اگر وہ زندہ مل جائیں اور انہیں ذبح کر لیا جائے۔

۲۔ نکاح کے ضمن میں آیت ۵ میں اہلِ کتاب کی شریف اور خاندانی خواتین سے نکاح کی اجازت، نکاح کی ان جملہ شرائط کے اعادے کے ساتھ جو سُورۂ نساء میں بوضاحت بیان ہو چکیں۔

۳- حرمتِ جان و مال، جسے انسان کی اجتماعی زندگی کی شہ رگ کی حیثیت حاصل ہے اور جس کے بارے میں اصولی بحث سورۃ نساء میں آگئی تھی، کے ضمن میں آیات ۲۷ تا ۳۴ میں قتلِ ناحق کی مذمت کے ذیل میں پہلے ہابیل و قابیل کے واقعہ کا بیان، پھر تورات کے حکم کا بیان اور پھر ان لوگوں کی سزا کی تشریح جو معاشرے میں فساد اور بدامنی پھیلانے کے جرم کے مرتکب ہوں، آیات ۳۸، ۳۹، میں چوری کی سزا کا بیان یعنی قطعِ ید اور آیت ۴۵ میں قصاص کے ضابطے کی مزید وضاحت!

۴- آیت ۸۹ میں وضاحت کی کہ بلا مقصد کھائی ہوئی قسموں پر مؤاخذہ نہیں ہے لیکن سوچ سمجھ کر کھائی ہوئی قسم پر کفّارہ دینا ہوگا، یعنی دس مساکین کو کھانا کھلانا یا کپڑے پہنانا یا ایک غلام کو آزاد کرنا۔ اور بصورتِ عدمِ استطاعت تین روزے۔

۵- آیات ۹۰، ۹۱ میں شراب، جوئے، استھانوں اور پانسوں کے تیروں کی قطعی و حتمی حرمت کا اعلان۔ مؤخر الذکر دونوں چیزوں کا ذکر آیت ۳ میں بھی ہے۔

۶- نماز کے ضمن میں آیت ۶ میں وضو کے حکم کی تفصیل ——— اور مجبوری و معذوری کی صورت میں وضو اور غسل دونوں کے قائم مقام کی حیثیت سے تیمم کے اس ضابطے کا اعادہ جو سورۂ نساء میں بیان ہو چکا تھا۔

۷- حج اور مقاماتِ حج اور متعلقاتِ حج کے ذیل میں پہلے آیات ۱، ۲- اور پھر آیات ۹۴ تا ۹۷ میں (الف) شعائر اللہ خصوصاً بیت اللہ، اشہرِ حرم، ہدی اور قربانی کے جانوروں اور حجّاجِ بیت اللہ کے احترام کا تاکیدی حکم۔ (واضح رہے کہ صفا اور مروہ کے شعائر اللہ میں شامل ہونے کی صراحت سورۂ بقرہ میں آچکی ہے)

(ب) احرام کی حالت میں شکار کی ممانعت — اور اس حکم کی خلاف ورزی

پر سزا کے ضابطے کی تفصیل، اور اس کی تصریح کہ سمندر کا شکار اس حکم سے مستثنٰی ہے۔

۸۔ وصیت کے سلسلے میں آیات ۱۰۶ تا ۱۰۸ میں قانون شہادت کی تفصیل، خصوصاً حالتِ سفر میں کیا کیا جائے اور یہ کہ اگر وصیت اور اس کی شہادت کے بارے میں اشتباہ پیش آجائے تو کیا کیا جائے۔

حکمتِ تشریع حکمتِ تشریع کے ذیل میں جو قیمتی ہدایات اس سُورۂ مبارکہ میں وارد ہوئیں وہ یہ ہیں :۔

۱۔ حکم دینے کا اختیار اللہ کو ہے اور اُس کا یہ اختیار مطلق ہے: " اِنَّ اللہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ " (اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے) ۔(آیت ۱)

۲۔ شریعت کے احکام پر مسلمانوں کو معذرت خواہانہ انداز اختیار کرنیکے بجائے خود اعتمادی کا اظہار کرنا چاہیئے اور اغیار کے طعن و استہزاء کی ہرگز پروا نہیں کرنی چاہیئے : " فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ " (آیت ۳) ۔ (پس اُن سے مت ڈرو صرف مجھ ہی سے ڈرو)

۳۔ شریعت بوجھ نہیں تمام تر نعمت ہے! " وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ " (آیت ۶) ۔ (اور تاکہ نعمت پوری کرے تم پر، تاکہ تم شکر کرو!)

۴۔ البتہ تشدد پسندی بھی فتنے کا موجب ہے۔ رخصتوں سے فائدہ اُٹھانے میں ہچکچانا اچھا نہیں : " مَا يُرِيْدُ اللہُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ " (آیت ۶) :۔ (اللہ تم پر تنگی پیدا نہیں کرنا چاہتا!)

۵۔ اسی طرح اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو خواہ مخواہ حرام ٹھہرالینا بہت بڑی گمراہی ہے (آیات ۸۷، ۸۸)

۶۔ اسی طرح ایمان لانے سے قبل جو حرام چیزیں کھائیں یا پئیں اُنکے بارے میں بھی پریشانی کی ضرورت نہیں۔ وہ تمام حساب ایمان اور توبہ کے ذریعے صاف ہو جاتا ہے۔ (آیت ۹۳)

۷ - اہلِ ایمان کو ناپاک چیزوں کی کثرت سے مرعوب نہیں ہونا چاہیئے اصل چیز طہارت و پاکیزگی ہے نہ کہ کثرت و قلت۔ (آیت ۱۰۰)

۸ - خواہ مخواہ کے سوالوں سے اجتناب کرنا چاہیئے، خصوصاً جس وقت قرآن نازل ہو رہا تھا غیر ضروری کھود کرید مباحات کے دائرے کو تنگ کرنے کا سبب بن سکتی تھی اور یہی طریقہ تھا جس سے یہود نے اپنے اوپر شریعت کے بوجھ میں اضافہ کرایا (آیت ۱۰۱)

۹ - آخری اور اہم ترین یہ کہ شریعت ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے۔ اس کے ایک جزو کا انکار بھی کل کا انکار شمار ہوگا بلکہ جو مسلمان شریعت کے کسی ضابطے کو جان بوجھ کر توڑتا ہے وہ گویا ایمان کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرتا ہے، اس کے تمام اعمال حبط ہو جائیں گے :- وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (آیت ۵)
یہ گویا وہی مضمون ہے جو سورۂ بقرہ میں یہود سے خطاب کے ضمن میں ان الفاظ میں آیا تھا کہ: " اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ " (کیا تم کتابِ الٰہی کے ایک حصّہ پر ایمان رکھتے ہو اور اس کے دوسرے حصّے کا انکار کرتے ہو؟ جو لوگ تم میں سے ایسا کرتے ہیں ان کی سزا دنیا کی زندگی میں رسوائی کے سوا اور کچھ نہیں اور آخرت میں یہ شدید ترین عذاب کی طرف بھیجے جائیں گے۔ اللہ اس چیز سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو)

حاملینِ شریعت کی ذمہ داری اور مسئولیت

شریعت کے ضمن میں آخری اور اہم ترین بات یہ کہ، یہ ایک معاہدہ ہے اللہ اور حاملِ شریعت اُمّت کے مابین اس کی خلاف ورزی

معاہدے کی خلاف ورزی ہے اور اس میں سہل انگاری سے عاقبت کی تباہی کا خطرہ ہے۔ یہ مضمون اس سورت میں تین اسلوبوں سے آیا ہے اور تینوں کے ضمن میں سابقہ اُمتوں کا حوالہ اور ان کی محرومی کا بیان بھی آگیا ہے۔

۱۔ لفظ "میثاق" کے حوالے سے، چنانچہ آیت ۷ میں مسلمانوں سے فرمایا: (یاد رکھنا اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو اور اُس میثاق کو جس میں اللہ نے تمہیں جکڑ لیا ہے جب تم نے کہا کہ 'ہم نے سُنا اور مانا' اور اللہ سے ڈرتے رہو وہ دلوں کے حال سے باخبر ہے!" اور پھر آیات ۱۲ تا ۱۴ میں فرمایا کہ اسی طرح ہم نے 'میثاق' لیا تھا بنی اسرائیل سے بھی اور نصاریٰ سے بھی۔ لیکن انہوں نے اسے جان بوجھ کر توڑا بھی، اور طاقِ نسیاں کی زینت بھی بنا دیا۔ گویا یہی سبب ہے اس کا کہ شریعت کی نعمت ان سے چھین کر تمہیں دی جارہی ہے۔

۲۔ 'حُکم بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ' کی اصطلاح کے حوالے سے، اس ضمن میں آیت ۱ میں فرمایا: "اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔" آیت ۴۴ میں فرمایا: "ہم نے ہی تورات نازل کی تھی جس میں ہدایت بھی تھی اور روشنی بھی، جس کے ذریعے فیصلہ کرتے تھے اللہ کے نبی!" اس کے بعد آئے آیات ۴۴، ۴۵، ۴۷ میں لرزہ طاری کر دینے والے الفاظ جن کا حاصل یہ ہے کہ: "جو لوگ اللہ کی اُتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں، وہی ظالم ہیں اور وہی فاسق ہیں!" اور یہی تھا وہ جرمِ عظیم جس کے مرتکب ہوئے یہود بھی اور نصاریٰ بھی ——— آخر میں آیات ۴۸، ۴۹ میں بتکرار و اعادہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو خطاب کر کے فرمایا: "فیصلہ کیجئے اُن کے مابین اللہ کی اُتاری ہوئی شریعت کے مطابق!" اور آیت ۵۰ میں جھنجھوڑنے کے انداز میں فرمایا: "کیا یہ جاہلیّت کے فیصلوں کے طلب گار ہیں۔ حالانکہ اہلِ ایمان و یقین کے لئے اللہ کے حکم سے بہتر اور کسی کا فیصلہ نہیں ہو سکتا!"

۳۔ اور تیسرے "اقامت مَآ اُنْزِلَ مِنَ اللّٰہِ" کی اصطلاح کے حوالے

سے ۔ چنانچہ پہلے آیت ۶۶ میں اہلِ کتاب کے بارے میں فرمایا: "اگر وہ قائم کرتے تورات اور انجیل کو اور جو کچھ نازل کیا گیا تھا اُن کی طرف اُن کے ربّ کی جانب سے تو برکتیں نازل ہوتیں اُن کے اُوپر سے بھی اور رزق کے چشمے پھوٹتے اُن کے پاؤں تلے سے بھی!" اور پھر آیت ۶۸ میں ڈنکے کی چوٹ اعلان کر دیا گیا کہ: "کہہ دو (اے نبی!) اے اہلِ کتاب تمہاری کوئی بنیاد ہی نہیں ہے جب تک کہ تم قائم نہ کرو تورات و انجیل کو اور اس چیز کو جو تمہاری طرف تمہارے ربّ کی جانب سے نازل کی گئی!"

کاش کہ مسلمان اس آیت کو صرف "یٰۤاَھْلَ الْکِتٰب" کے بجائے "یٰۤاَھْلَ الْقُرْاٰنِ" کے الفاظ اپنے ذہن میں رکھ کر پڑھ سکیں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ خدا کی رحمت ہم سے کیوں روٹھی ہوئی ہے اور ہماری دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں ۔ چنانچہ اسی خطاب: "یٰۤاَھْلَ الْقُرْاٰنِ" سے آغاز ہوتا ہے ایک حدیث کا جس میں آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مسلمانوں کو حاملِ قرآن ہونے کی ذمہ داریوں سے آگاہ فرمایا ہے ۔

شہادت علی النّاس لوگوں پر اللہ کی جانب سے حق کی شہادت اور اتمامِ حجّت کا جو فریضہ انبیاء و رُسل ادا کرتے رہے اور جواب اُمّتِ مُسلمہ پر عائد کر دیا گیا ہے ۔ اس کے ضمن میں اس سُورۂ مُبارکہ میں: (۱) ایک تو وہی عظیم الفاظ ذرا ترتیبِ لفظی کے فرق کے ساتھ آیت ۸ میں آئے جو اس سے قبل سُورۂ نساء کی آیت ۱۳۵ میں آچکے ہیں یعنی: "اے اہلِ ایمان! پوری قوت اور استقامت کے ساتھ اللہ کیلئے کھڑے ہو جاؤ، عدل و انصاف کے گواہ بن کر!" اس مزید اضافے کے ساتھ کہ: "کسی قوم کی عداوت تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم جادۂ عدل سے منحرف ہو جاؤ، عدل کرو، یہی تقویٰ سے مُناسبت رکھنے والی چیز ہے!" اس مضمون کی تاکید مزید اس سے قبل اس سُورۂ مبارکہ کی آیت ۲ میں آچکی تھی اس اضافے

کے ساتھ کہ مسلمانوں کو نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کے لیے ہر دم تیار رہنا چاہیئے اور گناہ اور ظلم میں کبھی تعاون نہیں کرنا چاہیئے۔

۲- اور دوسرے سُورۃ مبارکہ کے اختتام پر آیات ۱۰۹ تا ۱۲۰ میں ایک جھلک دکھادی اس حقیقت کی جس کی خبر دی گئی تھی سُورۃ نساء کی آیت ۴۱ میں کہ قیامت کی عدالت میں انبیاء و رُسُل اور داعیانِ حق سرکاری گواہوں کی حیثیت سے اپنی اُمّتوں کے خلاف گواہ بنا کر کھڑے کئے جائیں گے۔ چنانچہ نقشہ کھینچ دیا گیا کہ کیسے حضرت مسیحؑ گواہی دیں گے کہ اے رب مَیں نے انہیں ہرگز حکم نہیں دیا تھا مگر انہیں باتوں کا جن کا تو نے مجھے امر فرمایا تھا ـــــ باقی اپنی تمام اعتقادی کجیوں اور عملی گمراہیوں کے ذمّہ دار یہ خود ہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ

اسی طرح جہاد و قتال کے حکم اور اُس کے لئے ترغیب و تحریص کے ذیل میں بھی:

(۱) پہلے تو آیات ۲۰ تا ۲۶ میں بنی اسرائیل کی تاریخ کا وہ شرمناک واقعہ بیان ہوا کہ جب اُن پر قتال فرض کیا گیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا اور اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بارگاہِ ربّانی میں عرض کرنا پڑا کہ "اے رب مجھے سوائے اپنی جان اور اپنے بھائی کے کسی پر کوئی اختیار نہیں۔ پس تو ہمارے اور ہماری نافرمان قوم کے مابین تفریق فرما دے!" یہ گویا شرح ہوئی اُسی بات کی جو سُورۃ نساء میں آنحضورؐ کو خطاب فرما کر کہی گئی تھی کہ اگر کوئی اور قتال کے لئے نہ نکلے تو آپ تنِ تنہا نکلیں! اور جس کا ایک عکس نظر آتا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی سیرت میں کہ جب مانعین زکوٰۃ سے قتال کرنے کے ضمن میں اختلافِ رائے ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر اور کوئی جنگ کے لئے نہ نکلا تو میں تنِ تنہا نکلوں گا۔

(۲) اہل ایمان کو پہلے آیت ۳۵ میں مثبت طور پر جہاد کے لئے اُبھارا اور واضح کیا کہ اللہ تک رسائی اور اُس کی رضا کے حصُول کا اصل ذریعہ و وسیلہ

جہاد فی سبیل اللہ ہی ہے اور پھر آیت ۵۴ میں مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا کہ اگر تم نے اپنے دینی فرائض کو ادا کرنے سے پہلو تہی کی تو اللہ تمہیں راندہ درگاہ حق فرما کر کسی اور قوم کو توفیق دے دے گا کہ ان فرائض کی انجام دہی کے لئے اُٹھ کھڑی ہو۔

حکمت و معرفت اساسی ایمانیات اور فلسفہ و حکمت دین کے قیمتی موتیوں کے ضمن میں اس سورۂ مبارکہ میں: ایک تو آیت ۹۳ بڑی اہم ہے جس میں قانونی ایمان جس میں اعمالِ صالحہ جزو لاینفک کی حیثیت رکھتے ہیں، اور پھر احسان کی منزلوں اور اس میں ترقی و سیر الی اللہ کی اصل قوتِ محرکہ یعنی تقویٰ کا بڑی جامعیت اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ ذکر ہے۔ دوسرے دعوت و تبلیغ اور شہادت علی النّاس کے ذیل میں دو عظیم حقائق بیان ہوئے یعنی ایک آیت ۶۷ میں کہ تبلیغ کُل کے کُل دین کی کرنا ہو گی۔ اس میں سے کسی ایک چیز کا کتمان بھی کُل کا کتمان شمار ہو گا! اور دوسرے آیت ۱۰۵ میں کہ اگر انسان اپنی امکانی حد تک تبلیغ کا حق ادا کر دے تو پھر کسی کی گمراہی اس کے لئے موجبِ ضرر و نقصان نہ ہو گی۔

معاندین سے خطاب جہاں تک یہود و نصاریٰ اور منافقین کا تعلق ہے اس سورۂ مبارکہ میں پھر ایک بار انہیں دعوتِ ایمان و اصلاح بھی دی گئی ہے، اور ان کی اعتقادی و عملی گمراہیوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے اور انہیں ملامت بھی فرمائی گئی لیکن اس موضوع کے اعتبار سے بھی اس سورۂ مبارکہ کو 'حرفِ آخر' کا درجہ حاصل ہے اس سلسلے میں اہلِ کتاب نے جس طرح 'میثاقِ کتاب و شریعت' کی خلاف ورزی کی اور "حکم بما انزل اللہ" اور "اقامت ما انزل من اللہ" کے ضمن میں کوتاہیاں کیں، ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ آیت ۷۸ میں فرمایا گیا کہ اُن کے انہی کرتوتوں کے باعث یہود پر تو پہلے بھی حضرات داؤد و عیسیٰ علیہما السّلام کی زبان سے لعنت کرائی جا چکی ہے جس کی تکمیل اب نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے

ذریعے ہو رہی ہے اور پھر آیت ۸۲ میں فرمایا۔ البتہ نصاریٰ میں ایسے حق پسند رہبان و قسیسین موجود ہیں جو جیسے ہی قرآن مجید کی آیات سنتے ہیں انکی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں اور وہ پکار اٹھتے ہیں: "اے رب ہمارے ہم ایمان لائے پس ہمارا نام گواہوں کے ساتھ لکھ لے!" اور اس ضمن میں آخری تہدید وارد ہوئی آیت ۱۹ میں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:۔

"اے اہلِ کتاب! آگیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسُول (صلی اللہ علیہ وسلم) راہِ ہدایت کو واضح کرتے ہوئے، رسُولوں کے سلسلے میں ایک وقفے کے بعد، مبادا تم کہو کہ ہمارے پاس تو نہ کوئی بشارت دینے والا آیا نہ خبردار کرنے والا۔ پس آگیا بشارت دینے والا بھی اور خبردار کرنے والا بھی!"

یعنی آنحضورؐ کی بعثت کے بعد اب تمہارے پاس کوئی عذر نہ رہے گا۔ یہ گویا تشریح ہے اس ضابطہ کی جو سورۂ نساء میں ان الفاظ میں وارد ہوا تھا کہ: رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ط!

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥

تقریر نمبر ۷

دوسرا گروپ

الانعام ــــ تا ــــ التوبہ

قرآنِ حکیم کا تقریباً دو تہائی حصہ مکی سورتوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سورۂ

انعام اور سورۂ اعراف کلام پاک کی طویل ترین مکی سورتوں کے ایک نہایت حسین اور جمیل جوڑے کی حیثیت رکھتی ہیں — ان دونوں میں خطاب کا اصل رُخ بنی اسمٰعیل بالخصوص قریشِ مکہ کی طرف ہے اور پورے مکی قرآن میں انہیں جن دلائل کے ساتھ توحید، معاد اور رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ ان کا ایک جامع خلاصہ ان دونوں سورتوں میں آگیا ہے۔ ساتھ ہی چونکہ یہ مکی دَور کے آخری حصے میں نازل ہوئی ہیں لہٰذا ان میں تہدید و تنبیہ کا رنگ بھی بہت نمایاں ہے۔ اور چونکہ اس زمانے میں آنحضورؐ کی دعوت کا چرچا عرب میں دُور دُور تک پھیل چکا تھا اور آپؐ کی مخالفت میں بالواسطہ طور پر یہود بھی شامل ہو چکے تھے۔ لہٰذا چند مقامات پر اُن کے اعتراضات کا جواب بھی ضمنی طور پر دیا گیا ہے، اگرچہ ان سے براہِ راست خطاب نہیں کیا گیا۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے چونکہ ابھی اُن کی حیثیت صرف ایک داعی جماعت کی تھی اور ان کے اپنے معاشرے یا ریاست کے قیام کا مرحلہ ابھی نہیں آیا تھا لہٰذا انہیں شریعت کے تفصیلی احکام ابھی نہیں دیے گئے بلکہ زیادہ تر حق و باطل کی کش مکش کے پس منظر میں جو اس وقت انتہائی شدّت اختیار کر گئی تھی، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے جان نثاروں کو صبر و تحمل کی تلقین بھی کی گئی ہے اور حالات کی مناسبت سے ضروری ہدایات بھی دی گئی ہیں۔

سورۂ انعام اور سورۂ اعراف کے مابین مضامین کی تقسیم کو شاہ ولی اللہ دہلوی کی اختیار کردہ دو اصطلاحات کے حوالے سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ یعنی سورۂ انعام میں اسلوب زیادہ تر "التذکیر بآلاءِ اللہ" کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے احسانات اور اس کی ربوبیت عامہ کی نشانیوں کے حوالے سے ایمان کی دعوت اور سورۂ اعراف میں انداز "التذکیر بایامِ اللہ" کا ہے، یعنی گذشتہ قوموں پر اللہ کے رسولوں کی تکذیب اور ان کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار و اعراض کی پاداش میں جو عذابِ استیصال نازل ہوئے ان کے حوالے سے انذار

اور تہدید و تنبیہ !

سورۂ انعام

تذکرہ حضرت ابراہیمؑ

سورۂ انعام ۱۶۵ - آیات اور ۲۰ - رکوعوں پر مشتمل ہے اور اس کے عین وسط میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے - کہ انہوں نے اوّلاً شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں آنکھ کھولنے کے باوجود کس طرح فطرتِ سلیمہ اور عقلِ سلیم کی رہنمائی میں نورِ توحید تک رسائی حاصل کی اور پھر انتہائی مخالفانہ ماحول میں وہ کس صبر و ثبات او استقلال و پامردی کے ساتھ توحید پر جمے رہے اور نہ صرف یہ کہ پوری قوم کی مخالفت بھی ان کو مرعوب اور ہراساں نہ کر پائی - بلکہ انہوں نے دلیل کے میدان میں اپنی پوری قوم کو شکستِ فاش دی -

حضرت ابراہیمؑ کا ذکر خاص طور پر اس لیئے کیا گیا کہ قریشِ مکہّ نسلاً بھی اُن ہی کی ذریّت تھے اور اس کے بھی مدّعی تھے کہ وہ دینِ ابراہیمی ہی پر کاربند ہیں، جسے وہ دینِ حنیفی بھی کہتے تھے چنانچہ ان پر واضح کیا گیا کہ اُن کے جدِّ امجد نے تو تمام معبودانِ باطل کا انکار کرتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ :-

یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا	اے میری قوم کے لوگو! میں اُن سب
تُشْرِکُوْنَ ۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ	سے بیزاری اور لاتعلقی کا اعلان
وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ	کرتا ہوں جنہیں تم نے خدائی میں
وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ	شریک سمجھ رکھا ہے - مَیں نے
اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝	تو بالکل یکسو ہو کر اپنا رُخ اس ہستی

کی طرف کر لیا ہے، جس نے زمین اور آسمان کو وجود بخشا — اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں (الانعام: آیت ۷۸، ۷۹)

اور پھر جب قوم نے انہیں اپنے مزعومہ معبودوں اور دیوتاؤں کی سزا سے ڈرایا تو انہوں نے بے دھڑک اعلان کیا: "آخر میں تمہارے جھوٹ موٹ کے شریکوں سے کیوں ڈروں۔ جبکہ تمہیں اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک کرتے خوف نہیں آتا جن کے لئے اُس نے کوئی سند نہیں اتاری۔ تو اگر تم عقل سے بالکل بے بہرہ نہیں ہو گئے ہو تو خود غور کرو کہ دونوں فریقوں میں سے بے خوفی اور اطمینان کا زیادہ حقدار کون ہے؟ سُن رکھو! کہ حقیقی امن بھی صرف اُن کے لئے ہے اور ہدایت پر بھی صرف وہی ہیں جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک کی نجاست سے آلودہ نہ ہونے دیا!"

انبیائے بنی اسرائیل حضرت ابراہیمؑ کے ذکر کے ساتھ ہی اس سورۂ مبارکہ میں سترہ۱۷ انبیاء و رُسُل کا ذکر ہے۔ واضح رہے کہ حضراتِ انبیاء کے اسماءِ گرامی کا اتنا عظیم اور حسین و جمیل گلدستہ قرآن مجید میں اس مقام کے علاوہ صرف ایک ہی مقام پر ہے اور وہ ہے سُورۂ انبیاؑء۔ ان جلیل القدر انبیاء و رُسُل کے ذکر کے بعد دو باتیں نہایت اہم ارشاد ہوئیں: ایک۱ یہ کہ بفرضِ محال اگر یہ لوگ بھی شرک کرتے تو تمام تر جلالتِ شان کے باوجود اُن کے بھی تمام اعمال حبط ہو جاتے اور ساری نیکیاں اکارت جاتیں۔ گویا شرک اتنا بڑا جرم ہے کہ اُس کے ساتھ بڑی سے بڑی نیکی بھی مفید نہیں ہو سکتی۔ اور دوسرے۲ یہ کہ آنحضورؐ سے فرمایا گیا ہے کہ یہ ہے وہ مقدّس جماعت جو اللہ کی جانب سے ہدایت پر تھی تو آپ بھی اُن کے نقشِ قدم پر چلیں یعنی حق کی راہ میں جو مصائب انہوں نے جھیلے اور جس صبر و ثبات کا مظاہرہ کیا وہی آپ کو اور آپ کے ساتھ اہلِ ایمان کو کرنا چاہیئے۔ اس میں ضمناً اہلِ کتاب کے سامنے یہ حقیقت واضح کر دی گئی کہ آنحضورؐ اور آپ کے ساتھی اہلِ ایمان ہرگز کسی نسلی تعصّب میں مبتلا نہیں ہیں اس لئے کہ اگرچہ انبیاءِ بنی اسرائیل نسلاً یہود کے اسلاف میں سے تھے لیکن

قرآن نے اُن کی جلالت شان کے بیان میں ہرگز کسی بخل سے کام نہیں لیا!

حسّی معجزہ کا مطالبہ

حضرت ابراہیمؑ کے ذکر کو اس سورۂ مبارکہ میں مرکزی اہمیت حاصل ہے اور ان کی سرگذشت میں دراصل ایک جھلک دکھا دی گئی ہے اس صورتِ حال کی جو اس سُورت کے نزول کے وقت سرزمینِ مکّہ میں بالفعل موجود تھی۔ کہ ایک جانب آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپؐ کے جاں نثار تھے اور دوسری طرف سردارانِ قریش اور ان کے متبعین اور نقشہ بعینہٖ وہی تھا کہ ؎

"آگ ہے، اولادِ ابراہیمؑ ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے؟"

یا

"ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی!"

سُورۂ انعام کے نزول کے وقت مکّہ میں یہ کش مکش انتہائی شدّت کو پہنچ گئی تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ ہر طرف سے لاجواب ہو کر سردارانِ قریش نے آخری مورچہ اس مطالبے پر لگا لیا تھا کہ "اگر تم واقعتہً نبی یا رسول ہو تو کوئی محسوس معجزہ دکھاؤ!" اور صاف محسوس ہوتا ہے کہ اُن کے اِس مطالبے کی ظاہری معقولیّت سے عوام کی اکثریت بھی متاثر ہو گئی تھی، اور اس طرح اُس نے گویا ایک عوامی مطالبے کی صورت اختیار کر لی تھی۔ اُدھر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ گویا یہ تھا کہ نسلِ انسانی اس عہدِ طفولیّت سے گزر آئی ہے جس میں اُسے حسّی معجزوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ اب جسے بات سمجھنی ہے وہ عقل اور دلیل سے سمجھے اور جہاں تک دلیلوں اور نشانیوں کا تعلق ہے تو وہ آفاق و انفس میں بھی چپّے چپّے پر موجود ہیں اور ان پر مستزاد قرآنِ حکیم کی آیات بیّنات ہیں جنھوں نے اُن کو معجزانہ انداز میں اُجاگر کر دیا ہے۔ جو فی الواقع ہدایت کا طالب ہو اس کی ہدایت کا تو پورا سامان ان میں موجود ہے، رہے وہ جن کی عقلوں پر پردے پڑ چکے ہوں اور دلوں پر مہر لگ چکی ہو۔ تو اُن کے حق میں بڑے سے بڑا حسّی معجزہ بھی مفید نہیں ——— اس صورتِ حال میں ظاہر ہے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپؐ

کے ساتھی اہلِ ایمان کے صبر کا ایک سخت امتحان مضمر تھا۔ اور بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بعض اہلِ ایمان کے دلوں میں بر بنائے طبع بشری اس خیال کا پیدا ہو جانا بالکل فطری تھا کہ اگر ان کا مطالبہ پورا کر دیا جائے اور ان کی پسند کا کوئی حسّی معجزہ دکھا ہی دیا جائے تو کیا حرج ہے؟ کیا عجب کہ یہ لوگ ایمان لے آئیں، ورنہ کم از کم ان کی معقولیت اور حق پسندی کا پول تو کھل ہی جائے گا!۔ یہی وجہ ہے کہ یہ موضوع اس سُورۂ مبارکہ میں جا بجا زیر بحث آیا ہے اور اس بحث کے اعتبار سے یہ سورت قرآن مجید کے ذَروۃ السّنام یعنی چوٹی کی حیثیت رکھتی ہے۔

- چنانچہ آیت ۴۸، ۴۹ میں فرمایا:

"ہم اپنے رسولوں کو صرف بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجتے ہیں، پھر جو ایمان لائیں، اور اپنی اصلاح کر لیں تو اُن کیلئے نہ کوئی خوف ہے نہ رنج۔ اور جو ہماری آیات کو جھٹلائیں وہ اپنی نافرمانیوں کی سزا بھگت کر رہیں گے!"

- آیت ۱۰۴ میں فرمایا:۔

"دیکھو! تمہارے پاس تمہارے ربّ کی جانب سے بصیرت عطا کرنے والی آیات آ چکی ہیں، تو جو بصیرت سے کام لے گا اُس کا فائدہ اُسی کو ہوگا اور جو اندھا بنا رہے گا تو اس کا وبال بھی اُسی پر آئے گا۔ اور مَیں ہرگز تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں!"

- آیت ۵۰ میں فرمایا:۔

"کہہ دو! مَیں نے نہ اس کا دعویٰ کیا ہے کہ اللہ کے خزانے میرے اختیار میں ہیں، نہ اس کا کہ مَیں غیب کا علم رکھتا ہوں، نہ اس کا کہ مَیں فرشتہ ہوں، مَیں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے!"

- آیات ۷ تا ۹ میں فرمایا:۔

"اے نبیؐ! اگر ہم آپ پر لکھی لکھائی کتاب نازل کر دیتے اور یہ اُسے چھُو کر بھی دیکھ لیتے تب بھی یہ کافر یہی کہتے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ وہ کہتے ہیں ان پر فرشتہ کیوں نہیں اُتارا گیا، اگر ہم نے فرشتہ اتار دیا ہوتا تو فوراً ہی ان کا فیصلہ ہی چکا دیا ہوتا ۔ اور پھر کوئی مہلت انہیں نہ ملتی، اور اگر ہم فرشتہ بھیجتے تو اُسے بھی انسان ہی کی صورت میں بھیجتے ۔ اور انہیں اسی اشتباہ میں ڈال دیتے جس میں یہ اس وقت مبتلا ہیں"۔

یہ مضمون پورے قرآن مجید میں اپنے نقطۂ عروج کو پہنچا ہے، اس سورۂ مبارکہ کی آیات ۳۳ تا ۳۶ میں، جن کا ترجمہ بیان کرتے ہوئے دل لرزتا ہے۔ اس لئے کہ ان میں بظاہر آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم پر عتاب فرمایا گیا ہے۔ لیکن یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ ایسی آیات میں اگرچہ خطاب بظاہر آنحضورؐ سے ہوتا ہے لیکن عتاب کا رُخ دراصل کفّار، اور معاندین کی جانب ہوتا ہے جنہوں نے اپنی بے جا ہٹ دھرمی اور عیّارانہ مطالبات سے گویا آنحضورؐ اور آپؐ کے ساتھی اہلِ ایمان کو اس درجہ زچ کر دیا کہ بعض مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ کیوں نہ انہیں اُن کا مطلوبہ معجزہ دکھا ہی دیا جائے ۔ اس تصریح کے بعد آیات کا ترجمہ سُنئیے، فرمایا:

"اے نبیؐ! ہمیں خوب معلوم ہے کہ اُن کی باتوں سے آپ کو رنج پہنچتا ہے ۔ لیکن یہ لوگ آپ کو تو نہیں جھٹلا رہے ۔ یہ ظالم تو دراصل اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہیں ۔ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کی تکذیب کی گئی لیکن انہوں نے اس تکذیب اور ایذا پر صبر کیا۔ یہاں تک کہ ہماری مدد آ پہنچی ۔ اللہ کی باتوں کا بدلنا کسی کے بس میں نہیں اور سابق رسولوں کے حالات آپ کو سُنائے ہی جا چکے ہیں۔ پھر بھی اگر آپ سے ان کا اعراض و انکار برداشت نہیں ہوتا تو اگر ممکن ہو تو زمین میں سُرنگ کھود کر یا آسمان میں سیڑھی لگا کر اُن کے لئے کوئی نشانی

لے آیئے۔ اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو زبردستی حق پر جمع کر دیتا۔ پس آپ اس ناسمجھی سے بچیں۔ اس دعوتِ حق پر لبیک وہی کہتے ہیں جو فی الواقع سنتے ہوں۔ رہے وہ جو حقیقت کے اعتبار سے مر چکے ہیں تو انہیں تو اللہ ہی دوبارہ اٹھائے گا اور پھر وہ اسی کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے!"

کفار اور معاندین کی اسی معنوی موت کی تعبیر آیت نمبر ۲۵ میں ان الفاظ میں کی گئی:

"ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو بظاہر تو آپ کی بات پوری طرح کان لگا کر سنتے ہیں لیکن فی الواقع ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیتے ہیں کہ وہ سمجھ نہ پائیں اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے۔ چنانچہ اب وہ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں، ایمان نہیں لائیں گے!"

واضح رہے کہ اللہ کا کفار کے دلوں پر پردہ ڈالنا ابتداءً نہیں بلکہ ان کے اعراض و انکار کی سزا کے طور پر ہے۔ جیساکہ اسی سورت کی آیت نمبر ۱۱۰ میں واضح کر دیا گیا کہ:

"ہم الٹ دیتے ہیں ان کے دلوں اور ان کی نگاہوں کو جیسے کہ وہ ایمان نہیں لائے تھے۔ جبکہ حق ان پر منکشف ہوا تھا پہلی بار، اور ہم چھوڑ دیتے ہیں انہیں اپنی سرکشی ہی میں بھٹکتے رہنے کو!"

توحید اور معاد مشرکین اور منکرین قیامت کو توحید اور معاد پر ایمان کی دعوت اس سورۂ مبارکہ میں آفاق و انفس کے جن دلائل اور فطرت کی جن بدیہیات کی بنیاد پر دی گئی ہے، ان کی تفصیل کا یہاں امکان نہیں ہے۔ ویسے بھی یہ مضامین ان شاء اللہ دوسری سورتوں میں تفصیلاً زیرِ بحث آئیں گے!

یہود سے بالواسطہ خطاب اہل کتاب، بالخصوص یہود کی جانب اس سورۂ مبارکہ میں چار مقامات پر اشارے کیے گئے ہیں: ایک آیت نمبر ۲۰ میں جہاں فرمایا گیا ہے کہ:-

"جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی تھی وہ اسے یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم یا قرآن مجید کو بالکل اس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو، یہ دوسری بات ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو تباہ کرنے پر تُل گئے ہیں وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے!"

دوسرے آیت نمبر ۹۱ میں جہاں یہود کی اس ڈھٹائی کا ذکر کیا گیا کہ آنحضورؐ کی دعوت کا راستہ روکنے کی دھن میں وہ یہ تک کہہ گزرے کہ اللہ نے کبھی کسی انسان پر کچھ نازل نہیں کیا! چنانچہ بڑے بلیغ پیرائے میں اُن سے سوال کیا گیا کہ:-

"اے نبیؐ! ان سے پوچھو کہ پھر اس کتاب کو کس نے نازل کیا تھا، جسے موسیٰؑ لایا تھا، اور جو انسانوں کے لیئے روشنی بھی تھی اور ہدایت بھی اور جسے تم نے پارہ پارہ کر کے رکھ دیا ہے کہ کچھ کو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو؟"

بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس سوال پر یہود میں سے جن میں بھی حق پسندی کی کوئی رمق باقی رہ گئی ہوگی اس کا سر ندامت سے کس طرح جھک گیا ہوگا!
تیسرے آیت نمبر ۱۴۶ میں جہاں واضح کیا گیا کہ کھانے پینے کے ضمن میں جو سخت قدغنیں یہود پر لگائی گئی تھیں وہ شریعت اسلامی کا مستقل جزو نہ تھیں بلکہ اُن کی سرکشی کی سزا کے طور پر عائد کی گئی تھیں اور آخری اور چوتھی بار آیت نمبر ۱۵۴ میں جہاں تورات کا ذکر نہایت شاندار الفاظ میں کیا گیا کہ:

"ہم ہی نے موسیٰؑ کو وہ کتاب عطا کی تھی جو خیر کے طالب اور بھلائی کے خواہاں انسانوں پر نعمت کی تکمیل اور تمام ضروری اُمور کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت پر مشتمل تھی!"

وہیں اس کے ساتھ ہی وارد ہوا قرآن مجید کا ذکر آیت نمبر ۱۵۵ میں:

"اور اسی طرح یہ کتاب ہے جو ہم نے نازل فرمائی ہے، سراپا خیر و برکت۔ پس اس کی پیروی کرو۔ تاکہ تم پر رحمت کا نزول ہو!"

شرائع سماویہ کی اساسی تعلیمات

سورۂ بنی اسرائیل کے تیسرے اور چوتھے رکوع کے مانند اس سورۂ مبارکہ کے انیسویں رکوع میں بھی ان اساسی تعلیمات کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے جو تمام آسمانی شریعتوں کا جزوِ لاینفک رہی ہیں (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو کسی بھی اعتبار سے شریک نہ کرو! (۲) والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو! (۳) اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو، ہم ہی تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے! (۴) بے حیائی کی باتوں کے قریب بھی نہ پھٹکو، خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی! (۵) کسی کو ناحق قتل نہ کرو! (٦) یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر احسن طریق پر، یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے۔ (۷) ناپ تول پورا کرو۔ حتیٰ الامکان کامل عدل کے ساتھ! (۸) جب بات کہو انصاف کی کہو خواہ معاملہ کسی رشتہ داری کا کیوں نہ ہو! (۹) اللہ کے عہد کو پورا کرو (۱۰) آخری اور اہم ترین یہ کہ یہی ہے میرا سیدھا رستہ، تو اسی کی پیروی کرو اور دوسری پگڈنڈیوں پر مت چلو کہ وہ تمہیں اس کے راستے سے ہٹا کر پراگندہ کر دیں۔ اور یہ ہیں وہ باتیں جن کی ہدایت تمہارے رب نے تمہیں فرمائی تاکہ تم اُس کے غضب سے بچ سکو!

آنحضورؐ کا نعرۂ حق

سورہ کے اختتام پر اک نعرۂ حق آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زبان مبارک سے ادا کرایا گیا۔ جس میں ایک بار پھر اعادہ ہوا حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے ذکر کا جبکہ، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، اس سورۂ مبارکہ کے عمود اور مرکز و محور کی حیثیت حاصل ہے۔

"اے نبیؐ! اعلان کر دو کہ میرے رب نے میری رہنمائی فرما دی ہے سیدھے راستے کی جانب یعنی اس دینِ قیّم کی طرف اور ابراہیمؑ کی ملّت کی جانب جو بالکل یکسو تھے اور ہرگز مشرکین میں سے نہ تھے! کہہ دو!

میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔ جس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم ہوا ہے اور سب سے پہلے سرِ تسلیم خم کرنے والا میں خود ہوں!"

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

تقریر نمبر ۸

سُورۃ اعراف

سُورۃ اعراف جو قرآن مجید میں آٹھویں پارے کے نصف سے لے کر نویں پارے کے تین چوتھائی تک پھیلی ہوئی ہے اور ۲۰۶ آیات اور ۲۴ رکوعوں پر مشتمل ہے، قرآنِ حکیم کی طویل ترین مکی سورت ہے۔ سُورۃ انعام کی طرح اس میں بھی خطاب کا اصل رُخ قریشِ مکہ کی جانب ہے اور اگرچہ بنی اسرائیل کی تاریخ کا وہ باب جو تورات کی کتاب الخرُوج سے مشابہت رکھتا ہے، اس سُورۃ میں خاصی تفصیل سے بیان ہوا ہے تاہم سُورۃ انعام کی طرح اس سُورت میں بھی ان سے براہِ راست خطاب نہیں کیا گیا بلکہ یہ تذکرہ تمہید بن گیا اس مفصّل خطاب کے لئے جو ہجرت کے بعد سورۃ بقرہ میں وارد ہوا۔

قرآن حکیم میں سُورۃ ابراہیم کی آیت ۵ میں آنحضورؐ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ :- وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ ؕ یعنی اے نبیؐ! آپ انہیں یاد دہانی کرائیے اللہ کے دنوں کے حوالے سے، اس آیت میں اللہ کے دنوں سے مراد وہ ایام ہیں جن میں اہم تاریخی واقعات رُونما ہوئے۔ یعنی وہ ایام بھی جن میں رسولوں کی دعوت سے اعراض کی پاداش میں قوموں کی ہلاکت اور تباہی

کے فیصلے صادر و نافذ ہوئے اور اس کے علاوہ وہ اہم واقعات بھی جو اس سلسلۂ تخلیق کی بساط بچھانے کے ضمن میں رُونما ہوئے یا اس بساط کے تہہ کئے جانے کے وقت رُونما ہوں گے۔

سُورۂ اعراف اس "تذکیر بایّام اللہ" کی حسین ترین مثال ہے۔

چنانچہ جس طرح سُورۂ انعام کے عین وسط میں حضرت ابراہیمؑ اور اُن کی ذُرّیت کے جلیل القدر انبیاء کا ذکر تھا، اسی طرح اس سُورۂ مبارکہ کے وسط میں آیت ۵۹ سے لے کر آیت ۱۳۷ تک ان چھ اولوالعزم رسولوں کا ذکر ہے جن کی قوموں پر اُن کو جھٹلانے اور اُن کی دعوت کو ردّ کر دینے کی پاداش میں عذاب نازل ہوا اور انہیں نیست و نابود کر دیا گیا۔ یعنی حضرت نوح علیہ السّلام حضرت ہود علیہ السّلام، حضرت صالح علیہ السّلام، حضرت لوط علیہ السّلام، حضرت شعیب علیہ السّلام، حضرت موسیٰ علیہ السّلام۔ واضح رہے کہ ان چھ رسولوں کے حالات اور ان کی قوموں کے انجام کا ذکر قرآن مجید کی متعدد سُورتوں میں وارد ہوا ہے جیسے سُورۂ یُونس اور سُورۂ ہُود میں، اور سُورۂ مومنوں، سُورۂ عنکبوت اور سُورۂ شعراء وغیرہ میں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ عرب اور اُس کے اطراف و جوانب کی تاریخ کے واقعات ہیں جن کا ذکر عرب کی روایات میں بکثرت موجود تھا۔ چنانچہ اہلِ عرب بالخصوص قریش مکّہ کو بار بار اُن کی تاریخ سے عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی گئی۔ ان میں سے قومِ نوح عرب کے شمال مشرق میں آباد تھی۔ قومِ ہُودؑ یعنی عاد کا مسکن عرب کا جنوب مشرقی گوشہ تھا اور بقیہ چاروں اقوام یعنی ثمود، قومِ شعیبؑ، قومِ لوطؑ اور آلِ فرعون کے مسکن عرب کے شمال مغربی گوشے میں تھے۔ اور اُن میں سے تین تو وہ ہیں جن کی تباہ شدہ بستیاں اس تجارتی شاہراہ پر واقع تھیں جو حجاز سے شام تک جاتی تھی یعنی جنوب سے شمال کی جانب پہلے مساکنِ ثمود، پھر مساکنِ قومِ شعیبؑ اور پھر قومِ لوط کی بستیاں جن کے کھنڈروں پر سے اہلِ عرب اپنے تجارتی سفروں کے دوران گزرا

کرتے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی مکّی سورتوں میں ان رسولوں اور اُن کی قوموں کا ذکر بتکرار و اعادہ آیا ہے ۔ تاکہ قریش اُن کے حالات و واقعات سے سبق حاصل کریں اور اس غرّے میں نہ رہیں کہ ہمیں سرزمینِ عرب میں قوّت و شوکت اور دبدبہ و اقتدار حاصل ہے ۔ اس لئے کہ ان اقوام کو بھی اپنے اپنے زمانے میں اُن سے کہیں زیادہ غلبہ و اقتدار حاصل تھا ۔ لیکن جب وہ اللہ کے قانون کی گرفت میں آئے تو اُن کو ہلاکت و بربادی سے نہ اُن کی حشمت و سطوت بچا سکی ، نہ قوّت و شوکت !

ان رسولوں کی دعوت کے ضمن میں الفاظ کے بار بار اعادے سے یہ حقیقت واضح کی گئی کہ ان سب کی بنیادی دعوت ایک ہی تھی یعنی یہ کہ " يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط اے میری قوم کے لوگو ! اللہ ہی کی بندگی اور پرستش کرو ، تمہارا اُس کے سوا نہ کوئی مالک ہے نہ معبود !)

گویا انسان کی ہدایت کا اصل الاصول توحید ہے اور تمام گمراہیوں ، اور ضلالتوں کی جڑ اور بنیاد شرک ہے ۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت نُوح ، ہُود اور صالح علیہم السّلام کے عہد تک ابھی انسانی تمدّن بالکل ابتدائی مراحل میں تھا ۔ چنانچہ ضلالت و گمراہی کی بھی صرف یہ جڑ ہی قائم ہوئی تھی ۔ اس شجرۂ خبیثہ کے دوسرے ثمرات ابھی ظاہر نہیں ہوئے تھے ۔ لیکن پھر جیسے جیسے تمدّن نے ارتقائی مراحل طے کئے اس اُمّ الخبائث کے ثمرات و مضمرات کا ظہور بھی شروع ہو گیا ۔ چنانچہ قومِ لوط کے حالات میں جنسی آوارگی اور بے راہروی (SEXUAL PERVERSION) کا ذکر ملتا ہے اور قومِ شعیب کے حالات میں مالی بدعنوانیوں اور ناپ تول میں کمی بیشی اور چوری و راہزنی کا ذکر ملتا ہے اور آلِ فرعون کے حالات میں ایک قوم کے دوسری قوم پر ظلم اور جبر و تشدّد کا ذکر ملتا ہے ۔ غور کیا جائے تو آج بھی انسانی تمدّن میں فساد کی یہی تین صورتیں ہیں یعنی معاشرتی اقدار کی پامالی اور عفّت و عصمت اور گھر بلو امن و سکون کی بربادی ، یا معاشی

بدعنوانیاں یا سیاسی جبر واستحصال ——— اور درحقیقت یہ تینوں اصل نہیں فرع ہیں یعنی جڑ نہیں شاخیں ہیں اس شجرۂ خبیثہ کی جس کی اصل اور جڑ کی حیثیت شرک کو حاصل ہے۔

اس میں گویا کہ تصویر کھینچ دی گئی ہے کہ اے معشرِ قریش! تاریخ اپنے آپ کو دُہرارہی ہے۔ آج ہمارا رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم اسی توحید کی دعوت تمہیں دے رہا ہے۔ تمہارے اخلاقی امراض کا علاج اور جملہ معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسائل کا تمام تر حل اس دعوت کے قبول کرنے میں مُضمر ہے۔ اس کی یہ دعوت تمام تر نصح و خیرخواہی پر مبنی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ہمارے بندے نوحؑ نے کہا تھا کہ:۔ "اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ" اور ہمارے بندے ہُودؑ نے کہا تھا کہ: "اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ"۔ لیکن تم ہو کہ تکذیب و اعراض کی اُسی ڈگر پر چلنے پر مصر ہو، جس پر چلنے کے باعث ان اقوام کا انجام یہ ہوا کہ: "كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا" (وہ ایسے ہوگئے جیسے کبھی ان بستیوں میں آبادہی نہ تھے)۔ اور: "وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا" (ہم نے کاٹ کر رکھ دی جڑ ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا تھا۔) جس پر حد درجہ حسرت و تاسّف کے ساتھ کہا تھا ہمارے بندے شعیبؑ نے کہ: "يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ" (اے میری قوم کے لوگو! میں نے پہنچا دیا تم تک پیغام اپنے رب کا اور حق ادا کر دیا تمہاری خیر خواہی کا۔ پھر اب کافروں کے انجام پر غم کروں تو کیسے!)

تو اے معشرِ قریش! اب تم بھی اس انجام سے دوچار ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ! سُورۂ اعراف میں ایک عجیب صورت یہ سامنے آتی ہے کہ ۳۵ آیات میں حضرت نوحؑ سے حضرت شعیبؑ تک پانچ رسُولوں اور اُن کی قوموں کا ذکر ہوا۔ پھر ۹ آیات میں عذابِ استیصال کے ضمن میں بعض اُصولی باتیں بیان ہوئیں

اور اس کے بعد ۳۵ ہی آیات میں حضرت موسیٰ ؑ اور فرعون کا ذکر ہوا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے حالات میں بھی قریب ترین مماثلت حضرت موسیٰ ؑ کے حالات سے پائی جاتی ہے ۔ اور اُمّتِ مسلمہ کے حالات میں بھی قریب ترین مشابہت بنی اسرائیل کے حالات سے پائی جاتی ہے ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ ؑ اور فرعون کے ذکر کے بعد بیان شروع ہوا بنی اسرائیل کے حالات کا ، اور یہ سلسلہ بعد کی ۴۲ آیات تک چلا گیا ۔ اور یہ بیان جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے تمہید بن گیا یہود کے ساتھ اس مفصّل خطاب کی جو ہجرت کے بعد سورۂ بقرہ میں وارد ہوا ۔

بنی اسرائیل کے حالات و واقعات کے اس تذکرہ میں بڑے اہتمام کے ساتھ بیان ہوا ہے وہ واقعہ کہ جب بچھڑے کی پرستش کے واقعہ کے بعد اُن کے ستّر سرکردہ لوگوں کو ساتھ لے کر حضرت موسیٰ ؑ کوہِ طور پر اجتماعی توبہ و استغفار کیلئے حاضر ہوئے اور وہاں انہیں اللہ کے حکم سے ایک زلزلے نے آ پکڑا تو حضرت موسیٰ ؑ اللہ کی جناب میں عرض گذار ہوئے کہ :۔

"اے ربّ ! اگر تو چاہتا تو ہلاک کر دیتا پہلے ہی ان سب کو بھی اور مجھ کو بھی ۔ تو کیا تُو ہمیں ایسے جرم کی پاداش میں ہلاک کر دے گا ، جس کا ارتکاب ہمارے ناسمجھ لوگوں نے کیا ۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ بھی بس تیری طرف سے ایک آزمائش ہے تو اس کے ذریعے جس کو چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت دے دے ۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے ، پس ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما ۔ اور تو بہترین بخشنے والا ہے اور اے ہمارے ربّ ! لکھ دے ہمارے لئے بھلائی اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ۔ ہم تیری جناب میں رجوع کرتے ہیں !"

اس پر جواب ملا :۔

"میں اگرچہ عذاب بھی دیتا ہوں جسے چاہتا ہوں ۔ لیکن میری رحمت

ہر چیز کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے (رہی میری رحمت خصوصی) تو اُسے
میں مخصوص کر دوں گا، اُن لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کریں گے اور
زکوٰۃ ادا کرتے رہیں گے۔ اور ہماری آیات پر ایمان لائیں گے، اور
جو پیروی کریں گے اُس اُمّی نبی اور رسول کی جس کا ذکر وہ اپنے ہاں
تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ انہیں نیکی کا حکم دے
گا، بُرائی سے روکے گا اور اُن کے لئے پاکیزہ چیزیں حلال ٹھہرائے
گا اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دے گا اور اُن پر سے وہ بوجھ اور
طوق اُتارے گا۔ جو اُن پر پڑے ہوں گے تو جو اُس پر ایمان لائیں،
اس کی عزت کریں، اُس کی مدد کریں اور اس روشنی کی پیروی کریں
جو اُس پر اتاری گئی تو وہی فلاح پانے والے ہوں گے!"

اور اس کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا:۔

"کہہ دو اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں، اُس
اللہ کا جس کی بادشاہت آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے۔ وہی جلاتا
ہے اور وہی مارتا ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے اُمّی نبی اور
رسول پر۔ جو ایمان رکھتا ہے اللہ پر بھی اور اُس کے کلمات پر بھی۔
اور پیروی کرو اُس کی تاکہ تم راہ یاب ہو سکو!"

یہ گویا تمہید ہے اُس دعوتِ ایمان کی جو یہود کو ہجرت کے بعد سورۂ بقرہ کے
پانچویں رکوع میں براہِ راست خطاب کر کے دی گئی۔

سورۂ اعراف کے ابتدائی سات رکوعوں میں سے پہلے کی حیثیت تو ایک جامع
انڈکس کی ہے جس میں گویا اس سورت کے جملہ مباحث کے عنوانات جمع کر دیئے
گئے ہیں۔ چنانچہ اس میں وہ الفاظ بھی آتے ہیں جو گویا جامع عنوان ہیں رسولوں
کے حالات اور ان کی قوموں کے انجام کے ذکر کے لئے جو اس سورت کے اکثر حصے

پر پھیلا ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :۔

"کتنی ہی بستیاں ہوئی ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا تو آدھمکا اُن پر ہمارا عذاب اچانک رات کے وقت یا عین دن کے وقت جبکہ وہ قیلولہ کر رہے تھے۔ اور جب اُن پر عذاب آیا تو انہوں نے بس یہی کہا کہ بلاشبہ ہم ہی ظالم تھے۔ تو جان لو! کہ ہم ان لوگوں سے بھی پرسش کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور خود رسولوں سے بھی سوال کریں گے!"

اس کے علاوہ مکّی سُورتوں کے عام اسلوب کے مطابق توحید، معاد اور رسالت پر ایمان لانے کی وہ دعوت بھی اِختصار کے ساتھ آ گئی ہے جو اس سے قبل سورۂ انعام میں تفصیلاً آئی تھی اور ان پر مستزاد ہے اس سُورت کے عام اسلوب کے مطابق ذکر اس سلسلۂ تخلیق کے آغاز اور انجام سے متعلق بعض حالات و واقعات کا۔ چنانچہ پہلے قصّۂ آدم و ابلیس بیان ہوا ہے قدرے تفصیل کے ساتھ اور پھر احوالِ آخرت کی تصویر کشی کی گئی ہے کہ کس حال میں ہوں گے اہلِ جنّت اور اہلِ جہنّم، اور کیا گفتگو ہو گی اُن کے مابین ـــــ اس ضمن میں اصحابِ اعراف کا ذکر بھی قدرے تفصیل سے آیا ہے!

اسی طرح اس سُورت کے اختتام پر بھی اوّلاً تو دو واقعات کا بیان ہوا۔ ایک نوعِ انسانی کی تخلیق کے اوّلین مرحلے کا جب ارواحِ انسانی کو وجود بخشا گیا اور اُن سے وہ عہدِ اَلست لیا گیا جو محاسبۂ اُخروی کے وقت بطورِ دلیل و حجّت پیش ہو گا اور دوسرے بنی اسرائیل کے ایک حد درجہ پارسا اور عالم و فاضل شخص کے شیطان کے ایک ہی چکمے میں آ کر گناہ کی انتہائی پستیوں میں جا گرنے کا۔ جس سے گویا ایک بار پھر وہی حقیقت سامنے لائی گئی جو ابتداء میں آدم و ابلیس کے واقعے میں بیان ہوئی تھی کہ شیطان آدم اور ذُریّتِ آدم کا ازلی و ابدی دشمن ہے۔ اس کی چالوں سے پوری طرح ہوشیار و چوکس رہنے کی ضرورت ہے۔ اور اس کے مقابلے میں مومن کا اصل دفاع ذکرِ الٰہی اور

اللہ کی پناہ طلب کرتے رہنے ہیں ہے نہ کہ کسی ادّعاءِ علم وفضل یا غرورِ برِّ وتقویٰ ہیں۔ چنانچہ بالکل اختتام پر فرمایا گیا :۔

"اور اگر تمہیں کوئی وسوسۂ شیطانی لاحق ہونے لگے تو فوراً اللہ کی پناہ طلب کرو۔ بے شک وہ سب کچھ جاننے والا ہے خدا سے ڈرنے والے لوگوں کو اگر کبھی شیطان کی چھوت لگنے کا اندیشہ ہوتا ہے تو وہ فوراً خدا کا دھیان کرتے ہیں۔ چنانچہ اُن کو فوری بصیرت حاصل ہو جاتی ہے!"

سورت کے اوّل و آخر میں قرآن حکیم کا ذکر ہے۔ آغاز میں فرمایا گیا :۔

"یہ کتاب ہے جو تمہاری طرف اتاری گئی۔ اے نبیؐ! نہ اس لئے کہ تمہیں پریشانی لاحق ہو بلکہ اس لئے کہ تم اس کے ذریعے لوگوں کو خبردار کر دو اور اہلِ ایمان کے لئے یاد دہانی۔ لوگو! جو چیز تمہارے پاس تمہارے ربّ کی جانب سے آئی ہے اس کی پیروی کرو اور اسے چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔ واقعہ یہ ہے کہ تم کم ہی یاد دہانی حاصل کرنے والے ہو۔

اور اختتام پر فرمایا :۔

"کہہ دو اے نبیؐ! میں تو خود پیروی کرتا ہوں اس چیز کی جو میرے ربّ کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔ یہ تمہارے ربّ کی طرف سے بصیرت عطا کرنے والی آیات ہیں، اور ہدایت و رحمت ہیں، اُن کے حق میں جو ایمان لائیں۔ اور اے مسلمانو! جب قرآن سُنایا جا رہا ہو تو اُسے خاموشی کے ساتھ کان لگا کر توجّہ سے سُنا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے!"

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

تقریر نمبر ۹

سورۂ انعام اور سورۂ اعراف، دو مکّی سورتوں کے بعد قرآن مجید میں سورۂ انفال اور سورۂ توبہ پر مشتمل دو مدنی سورتوں کا موزوں اور متناسب جوڑا آتا ہے جن میں موضوع اور مضامین کے اعتبار سے اتنا گہرا ربط اور انداز اور اسلوب کے اعتبار سے اتنی موزونیت موجود ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ دونوں ایک ہی سورت ہوں - چنانچہ بعض حضرات نے سورۂ توبہ کے آغاز میں بسم اللہ نہ لکھے جانے کی فی الواقع یہی توجیہ بیان بھی کی ہے - لیکن بوجوہ یہ خیال درست نہیں ہے، صحیح یہی ہے کہ دونوں علیٰحدہ علیٰحدہ سورتیں ہیں اور سورۂ توبہ کے آغاز میں بسم اللہ نہ لکھے جانے کا سبب اصلاً تو یہ ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایسا حکم دیا - البتہ اس کی توجیہ کے ضمن میں حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا یہ قول وزنی معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ آیتِ امان ہے - چونکہ اس میں اللہ کے اسمائے حسنیٰ رحمٰن اور رحیم آئے ہیں - جب کہ یہ سورت گویا ہاتھ میں تلوار لیئے نازل ہوئی ہے اس لئے کہ اس کا آغاز آیاتِ برأت یعنی اظہارِ بیزاری اور اعلانِ جنگ سے ہوتا ہے، لہٰذا موزوں یہی تھا کہ اس کے آغاز میں آیت بسم اللہ نہ تحریر کی جائے!

ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے سورۂ انفال کا نمبر سورۂ بقرہ کے بعد ہے، اسلئے کہ یہ سورت غزوۂ بدر کے فوراً بعد نازل ہوئی اور محسوس ہوتا ہے کہ بیک وقت ایک مربوط اور مسلسل خطبہ کی صورت میں نازل ہوئی - لیکن ترتیبِ مصحف میں اس کو سورۂ انعام و اعراف کے بعد اور سورۂ توبہ سے قبل رکھا گیا اور اس میں نظمِ کلام کے اعتبار سے غایت درجہ حکمت مضمر ہے اس لئے کہ سورۂ انعام گویا بنی اسمٰعیل کو بالعموم اور قریشِ مکہ کو بالخصوص دعوت کی سورت ہے - اور سورۂ اعراف کی حیثیت ان کے لئے آخری تنبیہ اور تہدید یعنی WARNING, کی ہے - اس کے بعد فطری طور پر مشرکینِ عرب بالخصوص قریش پر عذاب کا سلسلہ شروع ہوتا ہے -

قریشِ مکہ کو عذاب سے امان اس وقت تک حاصل رہی جب تک آنحضورؐ مکہ میں مقیم رہے۔ جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تو گویا امان اُٹھ گئی اور عذاب کا سلسلہ شروع ہو گیا جس میں پہلی قسط کی حیثیت حاصل ہے غزوۂ بدر میں قریشِ مکہ کے ستر سورماؤں کے قتل کو جن میں اُن کے بعض چوٹی کے سردار بھی شامل تھے۔ حتیٰ کہ اُن میں عُتبہ بن ربیعہ بھی تھا جس کو اشرافِ قریش میں ایک نمایاں مقام حاصل تھا اور ابوجہل بھی تھا جس کے بارے میں خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ: "ھٰذَا فِرْعَوْنُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ" اِسے اس دَور کے فرعون کی حیثیت حاصل ہے!

مشرکینِ عرب پر عذابِ خداوندی کے جس سلسلے کا آغاز غزوۂ بدر سے ہوا تھا وہ تکمیل و اتمام کو پہنچا ۹ھ میں، جب کہ حج کے موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ عام کرا دیا کہ چند ماہ کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس کے بعد مشرکین کے خلاف اقدامِ عام شروع ہو جائے گا اب جسے جزیرہ نمائے عرب میں رہنا ہو وہ اطاعت قبول کر لے اور اسلام لے آئے۔ بصورتِ دیگر اس سرزمین کو خیرباد کہہ کر جہاں سینگ سمائے چلا جائے۔ بہرصورت جزیرہ نمائے عرب کو چند ماہ کے بعد کفر اور شرک سے بالکل پاک کر دیا جائے گا۔

ان تصریحات کے پیشِ نظر دو مکی اور دو مدنی سُورتوں کے اس گروپ نے انتہائی مربوط اور منظم کلام کی صورت اختیار کر لی ہے! فافھموا و تدبّروا!

سُورۂ انفال

سُورۂ انفال جو دس رکوعوں اور ۷۵ آیات پر مشتمل ہے اکثر و بیشتر غزوۂ بدر کے حالات و واقعات اور ان پر حکیمانہ تبصرے اور مسلمانوں کو دعوتِ اسلامی کے

اس نئے دور کے تقاضوں کی تیاری کی ہدایات پر مشتمل ہے جو غزوۂ بدر سے شروع ہو چکا تھا اور جسے جدید اصطلاح میں ACTIVE RESISTANCE یا ARMED CONFLICT سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس کا آغاز تو قرآن کے معروف اسلوب کے مطابق اس مسئلے کے ذکر سے ہوا جو اس وقت بحث و نزاع اور چہ میگوئی کا اہم موضوع بن گیا تھا یعنی مالِ غنیمت کا مسئلہ جس پر پہلے سے کسی قانون یا ضابطے کے موجود نہ ہونے کے باعث مسلمانوں میں اختلاف کا پیدا ہو جانا بالکل فطری تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اُسے معاندین نے مخالفانہ پروپیگنڈے کا ذریعہ بھی بنا لیا تھا، کہ یہ کیسے رسول ہیں جو اپنی ہی قوم کے خلاف تلوار اٹھاتے ہیں اور اپنے ہی بھائی بندوں کو قتل کرتے ہیں، اور اُن کا مال ہڑپ کرتے ہیں اور ان کے اسیروں سے رہائی کے عوض زرِ فدیہ وصول کرتے ہیں چنانچہ پہلی آیت کا ترجمہ یہ ہے:-

"اے نبیؐ! لوگ آپ سے اموالِ غنیمت کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں تو ان کو بتا دیجئے کہ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا حق ہے، پس اللہ سے ڈرو اور اپنے مابین تعلّقات کو درست رکھو اور اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت پہ کاربند رہو اگر تم واقعی مومن ہو!"

اور اس کے بعد نہایت شاندار الفاظ میں اہلِ ایمان کے اوصاف کا ذکر ہوا اور بتا دیا گیا کہ حقیقی مومن کون ہے ——— عجیب بات یہ ہے کہ سُورۂ انفال کا آغاز بھی اسی موضوع سے ہوا اور اس کے اختتام پر پھر یہی موضوع زیرِ بحث آیا اور ان دونوں مقامات نے مل کر ایمانِ حقیقی کی حد درجہ جامع و مانع تعریف کی صورت اختیار کر لی۔ چنانچہ آیات ۲ تا ۴ میں فرمایا:-

"حقیقی مومن تو صرف وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو اُن کے دل لرز اٹھیں اور جب اس کی آیتیں انہیں سنائی جائیں تو اُن کے ایمان و یقین میں اضافہ ہو، اور اُن کا تمام تر بھروسہ اپنے ربّ ہی

پر ہو، اور جو نماز قائم کریں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے خرچ کریں
——— یہی ہیں سچے مومن ۔ اُن کے لئے اُن کے رَب کے پاس مراتبِ
عالیہ بھی ہیں اور مغفرت اور رزقِ کریم بھی !"

اور آیت ۷۴ میں فرمایا ۔

"اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں
جہاد کیا ۔ اور وہ جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی تو یہی ہیں حقیقی
مومن، اُن کے لئے اللہ کی مغفرت کا وعدہ بھی ہے اور باعزّت رزق
کا بھی !"

یہ گویا وہی بات قدرے شرح و بسط کے ساتھ ہے جو اجمالاً بیان ہوئی ہے سُورۂ
حجرات کی آیت ۱۵ میں کہ :-

"مومن تو بس وہ ہیں جو ایمان لائیں اللہ اور اُس کے رسول پر، پھر شک
میں نہ پڑیں اور جہاد کریں اللہ کی راہ میں اور کھپائیں اس میں اپنے مال
بھی اور اپنی جانیں بھی ۔ حقیقتاً یہی لوگ دعوئ ایمان میں سچے ہیں!"

اِس ابتداء اور انتہاء کے مابین جو مضامین سُورۂ انفال میں بیان ہوئے ہیں
اُن کا اجمالی جائزہ یہ ہے :-

۱۔ غزوۂ بدر کے حالات و واقعات کے ضمن میں ایک جانب تو آیات ۵ تا
۸ میں بعض مسلمانوں کی اس کمزوری کی نشاندہی کی گئی کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ
وسلم نے اہلِ ایمان کے حوصلے اور MORALE کا اندازہ کرنے کے لئے یہ دریافت
کیا کہ شمال سے تجارتی قافلہ آرہا ہے اور جنوب سے قریش کا لشکر، تو ہمیں کس
جانب کا قصد کرنا چاہیئے تو انہوں نے قافلے پر حملہ آور ہونے پر اصرار کیا ۔ حالانکہ اللہ
تو اس کے ذریعے حق کا بول بالا کرنے اور کافروں کی جڑ کاٹ دینے کا فیصلہ کر
چکا تھا ——— اور دوسری طرف آیات ۹ تا ۱۴ میں ان خصوصی احسانات کا ذکر
فرمایا گیا جو اس معرکے کے دوران اللہ تعالے نے مسلمانوں پر کیئے ۔ جن میں اہلِ ایمان

کی مدد کے لئے ملائکہ کی غیر مرئی فوج کا بھیجنا بھی شامل ہے اور معرکے سے ایک رات قبل بارانِ رحمت کا نزول بھی جس سے اہلِ ایمان نے طہارت و پاکی بھی حاصل کی اور جس سے میدانِ جنگ میں ان کی جانب کے حصّے میں ریت بھی دب گئی ۔ جس سے قدم جما کر لڑنے کا امکان پیدا ہوا ۔ مزید برآں جنگ سے پہلے والی رات اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے قلوب میں ایسا امن و اطمینان پیدا کر دیا کہ وہ آرام سے سوئے اور اگلی صبح پوری طرح چاق و چوبند ہو کر میدانِ جنگ میں صف بستہ ہو گئے —— اور آیت ۱۷ میں اس نصرت و تائیدِ غیبی کا نتیجہ بیان کر دیا کہ اے مسلمانو ! یہ جنگ اصل میں تم نے نہیں لڑی ہم نے لڑی ہے، سردارانِ قریش کو تم نے قتل نہیں کیا ہم نے کیا ہے —— اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو کنکریوں کی مٹھی بھر کر کفّار کے جانب پھینکی تھی، وہ انہوں نے نہیں، ہم نے پھینکی تھی گویا بقول علامہ اقبال ع ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ !

۲۔ ساتھ ہی پہلے آیات ۱۸ ، ۱۹ میں قریش کو متنبہ کر دیا کہ اگر تم حق و باطل کے فیصلے کے طالب تھے اور یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ اللہ کی تائید و نصرت کس کے ساتھ ہے، تمہارے ساتھ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلّم اور اُن کے اصحاب کے ساتھ، تو وہ فیصلہ تمہارے سامنے آچکا ہے ۔ لہذا اب بھی باز آجاؤ اس میں بہتری اور خیریت ہے ۔ بصورتِ دیگر جان لو کہ تمہاری جنگ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم اور اُن کے ساتھی مہاجرین و انصار سے نہیں اللہ سے ہے ۔ اور پھر آیات ۳۲ تا ۳۸ میں اُن کے کان پھر کھول دیئے گئے کہ ہجرت سے قبل ہماری ڈھیل کے باعث تمہارے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے ۔ حتّٰی کہ تم کھُلّم کھُلّا عذاب تک کا مطالبہ کر گزرتے تھے حالانکہ اس وقت تک ہمارے نبی تمہارے مابین موجود تھے ۔ اب وہ امان اُٹھ چکی ہے لہذا عذاب کی پہلی قسط تمہیں مل گئی ہے ۔ رہا تمہارا یہ خیال کہ تم بیت الحرام کے متولّی اور مجاور ہو تو اس غرّے میں بھی مت رہنا ۔ تم نے توحید کے اس مرکز کی حرمت کو بھی اسے شرک کا گڑھ بنا کر بٹّہ لگا دیا ہے اور اُس کی تعمیر کے اصل مقصد

یعنی نماز کے قیام کو بھی تم ضائع کر چکے ہو یہاں تک کہ تم نے خود نماز کا حلیہ بگاڑ کر اُسے تالیوں اور سیٹیوں میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے - لہذا اب تم اللہ سے کسی رعایت کی اُمید نہ رکھو، اور جان لو کہ اب تم خواہ کتنی ہی دولت صرف کر لو اللہ کے دین کی راہ ہرگز نہ روک سکو گے -

۳- مسلمانوں کو دعوتِ اسلامی کے اس نئے مرحلے کے تقاضوں کے ضمن میں جو ہدایات دی گئیں وہ حسبِ ذیل ہیں -

اوّلاً —— یہ جان لو کہ یہ جنگ جاری رہے گی جب تک کہ کفر و شرک کا کامل قلع قمع نہ ہو جائے اور دین کُل کا کُل صرف اللہ کے لئے نہ ہو جائے (آیت ۳۹) وقاتلوھم ....

ثانیاً —— جنگ کے لئے ہمیشہ تیار رہو اور اپنے جملہ وسائل کو بروئے کار لاکر زیادہ سے زیادہ اسلحہ اور سامانِ جنگ فراہم کرو - اس ضمن میں جو خرچ تم کرو گے اُس کا پورا پورا اجر تمہیں اللہ سے مل جائے گا - وَاَعِدُّوا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ (آیت ۶۰)

ثالثاً —— جن قبائل سے تمہارے معاہدے ہوں اُن کے معاہدوں کا لحاظ کرو اگر وہ خیانت کا ارتکاب کریں گے تو اللہ اُن کے شر سے تمہیں بچائے گا - بہرصورت اگر تمہیں اُن کے خلاف اقدام کرنا ہی پڑے تو پہلے اُن کے معاہدے علی الاعلان اُن کے منہ پر دے مارو - بہرحال یہ صورت تمہارے شایانِ شان ہرگز نہیں ہے کہ کسی سے معاہدہ بھی ہو اور اس کے خلاف در پردہ یا کھلّم کھلّا اقدام بھی کیا جا رہا ہو (یہ مضمون تفصیل کے ساتھ آیات ۵۶ تا ۵۸ اور ۶۱ تا ۶۴ میں آیا ہے)

رابعاً —— جب دشمن سے مُڈبھیڑ ہو ہی جائے تو میدانِ جنگ سے ہرگز منہ نہ موڑو، اِلّا یہ کہ خود جنگ کی مصلحتیں کسی باقاعدہ پسپائی کی متقاضی ہوں - جو کوئی صرف جان بچانے کی غرض سے میدانِ جنگ سے فرار اختیار کرے گا

اُس پر اللہ کا غضب نازل ہوگا اور اُس کا ٹھکانا جہنّم ہوگا (آیات ۱۵، ۱۶) ——— ساتھ ہی عین جنگ کے موقع پر بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو بلکہ ذکر کا اہتمام کرو (آیت ۴۵)

خامسًا ——— اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ تمہاری قوّت کا اصل راز اللہ اور اُس کے رسول کی بے چُون وچرا اطاعت اور اُن کی پکار پر بلا پس وپیش حاضر ہو جانے میں مضمر ہے اور اسی میں حیاتِ حقیقی کا راز مضمر ہے خواہ بظاہر اس راہ میں موت کھڑی نظر آ رہی ہو۔ ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کر دی گئی کہ ان اُمور میں ہر کوتاہی اصلاً اللہ اور رسُول کے ساتھ خیانت کے مترادف ہے اور اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ بھی نکل سکتا ہے کہ انسان اللہ کے قانونِ ہدایت وضلالت کی زد میں آ جائے اور اس کے دل پر مہر لگا دی جائے کہ پھر راہِ ہدایت کی جانب پلٹنا ممکن ہی نہ رہے (آیات ۲۰، ۲۴، ۲۷)

۴ - مالِ غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں جو اختلاف ہوا اُس کے ذیل میں نہایت حکیمانہ انداز یہ اختیار کیا گیا کہ پہلے تو آیت ۱ میں یہ حقیقت واضح کر دی کہ یہ کُل کا کُل اللہ اور اُس کے رسُول کا حق ہے گویا دوسروں کو اس میں سے جو کچھ بھی مل جائے وہ اسے اللہ کا عطیہ سمجھیں نہ کہ اپنا حق ——— اس کے بعد آیت ۴۱ میں حتمی ضابطہ بیان کر دیا گیا کہ اموالِ غنیمت میں سے خُمس یعنی پانچواں حصّہ اسلامی حکومت کے خزانے میں جائے گا اور بقیہ کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے گا یہ بالکل وہی انداز ہے جو سُورۃ بقرہ میں تحویلِ قبلہ کے ضمن میں اختیار کیا گیا ہے کہ پہلے فرمایا کہ :-

"مشرق ومغرب سب اللہ کے ہیں جدھر بھی رُخ کر لو، اللہ ہی کا رُخ ہے!"

اور اس طرح ذہنوں کو تبدیلی کے قبول کرنے کے لئے تیار کرنے کے بعد تحویلِ قبلہ کا حکم نازل فرما دیا گیا۔

۵ - ایک اور پیچیدہ مسئلہ جو جنگ کے بعد پیدا ہوا وہ قیدیوں کا تھا۔

اس کے ضمن میں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اختلاف رائے پیدا ہوا ازروئے فرمان نبویؐ اللہ کے دین کے معاملے میں اُمتِ محمدؐ کے سب سے زیادہ سخت گیر انسان یعنی حضرت عمرؓ کی رائے سے انکی رائے یہ تھی کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے اور ہر مسلمان اپنے قریبی عزیز کو اپنے ہاتھوں قتل کرے، جب کہ حضورؐ کے قول کے مطابق اُمت پر سب سے بڑھ کر شفیق و رحیم انسان یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے یہ تھی کہ اُن کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ خود رحمۃ للعالمینؐ کی رائے بھی لامحالہ اسی جانب تھی۔ اس ضمن میں آیات ۶۷، ۶۸ کی رُو سے وحی الٰہی حضرت عمرؓ کی رائے کی موافقت میں نازل ہوئی۔ اگرچہ اسیرانِ جنگ سے زرِ فدیہ وصول کر کے رہا کر دینے کا جو فیصلہ آنحضورؐ فرما چکے تھے اسے برقرار رکھا گیا اور مسلمانوں کے اطمینان کے لئے آیت ۶۹ میں واضح الفاظ میں فرما دیا کہ خواہ عام اموالِ غنیمت ہوں خواہ اسیرانِ جنگ سے وصول شدہ زرِ فدیہ اسے پُورے انشراحِ صدر کے ساتھ حلال و طیب جانتے ہوئے کھاؤ اور معاندین کے مخالفانہ پروپیگنڈے سے کوئی تاثر قبول نہ کرو کہ یہ نبی اور اس کے ساتھیوں کے شایانِ شان نہیں۔ اس لئے کہ نبی اور اہلِ ایمان کے لئے کیا مناسب ہے۔ اور کیا مناسب نہیں، اس کا فیصلہ اصلاً اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

تقریر نمبر ۱۰

سُورۂ توبہ

سُورۂ توبہ کا دوسرا مشہور نام سُورۂ برأت ہے یعنی وہ سُورت جس میں مشرکین سے بیزاری اور لاتعلقی کا اعلان کیا گیا ہے، اور یہ بعض دوسرے ناموں سے بھی موسوم کی جاتی ہے جیسے سُورۂ مُخزیہ، سُورۂ فاضحہ، سُورۂ مشردہ اور سُورۂ

عذاب جو سب اس کی اسی صفت کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالےٰ
کی طرف سے مشرکین عرب کیلئے اس دنیا میں آخری ذلت و رسوائی اور عذاب
استیصال کا اعلانِ عام کیا گیا ہے یہ اہم سورت مصحف میں دسویں پارے کے رُبع
سے لے کر گیارھویں پارے کے رُبع سے آگے تک پھیلی ہوئی ہے اور ۱۶ رکوعوں
اور ۱۲۹ آیات پر مشتمل ہے۔

مضمون کے اعتبار سے اسے دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، ایک چھوٹا جو
پہلے پانچ رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اور دوسرا بڑا جو بقیہ گیارہ رکوعوں پر مشتمل ہے اور
ان میں سے ہر حصّہ بھی زمانۂ نزول کے اعتبار سے دو حصّوں پر مشتمل ہے پہلے حصّہ
میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دعوت کے سرزمینِ عرب کی حد تک تکمیلی مرحلے
کا ذکر ہے جبکہ دوسرا حصّہ آپؐ کی دعوت کے بیرونِ ملک یا بین الاقوامی مرحلے
کے آغاز سے متعلق ہے۔

واضح رہے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی دعوتی سرگرمی کو آغازِ وحی
اور حکمِ تبلیغ کے بعد ۱۳ برس یعنی ہجرت تک صرف مکّے اور اس کے اطراف و جوانب
تک محدود رکھا، اس کے بعد جب اللہ تعالےٰ نے آنحضورؐ کو مدینہ منوّرہ میں ایک
چھوٹی سی شہری اسلامی ریاست عطا فرما دی اور اس طرح آپ کے لئے تمکّن فی
الارض کا سامان فراہم کر دیا تو آپ کی دعوت فطری طور پر دوسرے مرحلے میں داخل
ہو گئی اور پورا جزیرہ نمائے عرب آپ کی دعوت و تبلیغ کا میدان بن گیا۔ ۶ھ
میں صلح حدیبیہ واقع ہوئی اور اس نے گویا ثابت کر دیا کہ اندرونِ عرب
آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو فیصلہ کن اور مسلّمہ طور پر غالب حیثیت حاصل ہو گئی
ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں اسے "فتحِ مبین" قرار
دیا۔ چنانچہ اب آپ نے بلا تاخیر ملوک و سلاطین کے نام دعوتی خطوط ارسال
فرما کر اپنی دعوت کے بین الاقوامی مرحلے کا آغاز کر دیا۔ اور اس کے بعد سے
آپ کی پیش قدمی بیک وقت دونوں محاذوں پر شروع ہو گئی، اندرونِ عرب

بھی اور بیرونِ ملک بھی - اندرونِ عرب کے اعتبار سے ظاہر ہے کہ یہ دَور آنحضورؐ کے مشن کے اتمام و تکمیل کا دَور ہے جب کہ بین الاقوامی سطح پر اسے آغاز و ابتداء سے تعبیر کیا جا سکتا ہے - اندرونِ ملک اتمام و تکمیل مقصد بعثتِ نبوی کے اس عمل میں اہم مراحل کی حیثیت حاصل ہے ایک جانب فتح مکہ اور غزوۂ حنین کو اور دوسری جانب فتح خیبر کو اور بیرونِ ملک توسیعِ دعوت کے نتیجے میں واقع ہوا پہلے غزوۂ موتہ اور پھر سفرِ تبوک ! سورہ توبہ اسی دَور میں مختلف مواقع پر نازل شدہ خطبات پر مشتمل ہے - چنانچہ اس کے پہلے پانچ رکوعوں میں زیرِ بحث آئے ہیں ایک جانب فسخ صُلح حدیبیہ، پھر مکہ کی جانب پیش قدمی، پھر غزوۂ حنین اور بالآخر قریشِ مکہ اور مشرکین عرب کے ضمن میں آخری اقدامات، اور دوسری جانب اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے بارے میں آخری فیصلہ، اور بقیہ گیارہ رکوع بحث کرتے ہیں تبوک کی مہم اور اس کے دوران پیش آمدہ حالات و واقعات سے جن کے ضمن میں بالخصوص منافقین کا کردار نہایت تفصیل سے زیرِ بحث آیا جس کے نتیجے میں اس سورۂ مبارکہ کو منافقین کے ضمن میں قولِ فیصل کی حیثیت بھی حاصل ہو گئی اور اس موضوع کے اعتبار سے قرآن مجید کے ذِروۃ السنام کی بھی لہ

اِس سورۂ مبارکہ کے پہلے حصے میں ربط و ترتیب کے ضمن میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ جس طرح سورۂ انفال میں اموالِ غنیمت کے اہم مسئلے کو سورت کے درمیان سے نکال کر آغاز میں گویا بطورِ عنوان درج کر دیا گیا تھا - اسی طرح اس سورۂ مبارکہ میں بھی مشرکینِ عرب سے اظہارِ بیزاری اور اعلانِ جنگ کو اس کی اہمیت کے پیشِ نظر درمیان سے نکال کر سورت کے عنوان کی حیثیت سے ابتداء میں درج کر دیا گیا ہے - ورنہ اصل ترتیب یہ ہے کہ اس سورت کے رکوع ۲، ۳ نزول کے اعتبار سے مقدم ہیں اور صلح حدیبیہ کے بعد اور فتحِ مکہ سے قبل کسی موقع پر نازل ہوئے - جب کہ رکوع ۱، ۴، ۵ باہم مربوط ہیں اور اُن کا زمانۂ نزول ۹ھ کا موسمِ حج ہے - دوسرے اور تیسرے رکوع کی آیات کے تاریخی پس منظر کو اچھی طرح سمجھ لینا

چاہیئے۔ اور وہ یہ کہ صلح حدیبیہ کا اثر عرب کے تمام قبائل پر یہ پڑا کہ اب جبکہ عرب
کی سب سے بڑی قوّت یعنی قریش نے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں تو عافیت اسی میں ہے کہ
جلد از جلد سب ہی آنحضورؐ سے مصالحت کی کوئی صورت پیدا کر لیں۔ اُدھر آنحضورؐ کا
دستِ مبارک حالات کی نبض پر تھا اور آپ ڈیڑھ دو سال قبل غزوۂ احزاب کے
بعد ہی واضح فرما چکے تھے کہ اب مشرکین اور کفّار میں قوّتِ مقاومت موجود نہیں ہے
ان حالات میں ظاہر ہے کہ اُن سے معاہدے کرنے کا مطلب یہ ہوتا کہ کفر اور شرک
کو خواہ مخواہ مزید مہلت دی جائے اور اللہ کے دین کے غلبے کی تکمیل کو بلا وجہ مؤخر
کیا جائے۔ ادھر یہ بات بھی بادنیٰ تامّل سمجھ میں آسکتی ہے کہ صلح جُو اور امن پسند
لوگ ہر معاشرے اور جماعت میں موجود ہوتے ہیں اور بالخصوص مسلمانوں کی تو غالب
اکثریت کا اسی مزاج کا حامل ہونا عین قرینِ قیاس ہے۔ ایسے حضرات کے لئے
معاہدے کی کسی بھی پیش کش کو کسی بھی صورت میں ردّ کرنا ناقابلِ قیاس ہوتا
ہے اور اصل میں یہی عقدہ ہے جسے سُورۃ توبہ کے دوسرے رکوع میں کھولا گیا
ہے کہ اوّل تو شرک و توحید اور حق و باطل کے مابین بقائے باھمی یعنی
PEACEFUL CO—EXISTANCE کا کوئی تصوّر ویسے ہی خارج از بحث
ہے۔ ثانیاً تم ان مشرکین کے الفاظ کے بجائے اُن کے کردار کو دیکھو اور اُن کی
چکنی چُپڑی باتوں پر نہ جاؤ۔ بلکہ ان کے اب تک کے کرتوتوں کو یاد کرو۔ کیا یہ
وہی نہیں ہیں جنہوں نے ایڑی چوٹی کا زور حق کی راہ روکنے میں صرف کیا اور اس
معاملے میں نہ کسی قرابت کا کوئی لحاظ کیا نہ کسی قول و قرار یا عہد و ذمّہ کا۔ پھر
کیا یہی نہیں ہیں جنہوں نے حضورؐ کو مکّہ سے نکالا اور پھر مدینہ میں بھی چین سے
نہ بیٹھنے دیا۔ اب جبکہ حالات کا پانسہ پلٹ گیا ہے تو وہ معاہدوں کی چھاؤں
میں پناہ لینا چاہتے ہیں۔ ان کے فریب میں مت آؤ اور اُن سے قتال کرو۔
اللہ تعالیٰ اُن کو اُن کے کفر و اعراض کی سزا تمہارے ہاتھوں دے گا اور ان مسلمانوں
کے قلوب کو ٹھنڈک عطا فرمائے گا جو اُن کے مظالم کی چکیوں میں پستے رہے ہیں۔

اِس ضمن میں ایک اشکال اور بھی تھا اور وہ یہ کہ اہلِ عرب کے قلوب واذہان میں حرم اور متولیانِ حرم یعنی قریش کی عظمت کا جو نقش صدیوں کے تعامل کے باعث قائم ہو چکا تھا، وہ بھی کسی فیصلہ کن اقدام کی راہ میں حائل تھا۔ چنانچہ تیسرے رکوع میں اس نفسیاتی الجھن کا حل کیا گیا ہے کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا یا اُن کے متولی بننا مشرکین کا حق ہے ہی نہیں ۔ یہ حق تو اصلاً صرف اہلِ ایمان و توحید کا ہے ۔ گویا مشرکینِ مکّہ کی حیثیت غاصبین کی ہے اور صرف حُجّاج بیت اللہ الحرام کی خدمت یا مسجدِ حرام کے متولی ہونے سے اُنہیں کوئی ایسا تقدس حاصل نہیں ہوتا جو اُن کے خلاف کسی اقدام میں مانع ہو سکے ——— اس طرح یہ دونوں رکوع گویا تمہید ہیں اِس فیصلہ کُن اقدام کی جس کے نتیجے میں بفضلہٖ تعالےٰ رمضان ۸ھ میں مکّہ فتح ہوا ۔ اور پھر اگلے ہی ماہ معرکۂ حنین میں کفر اور شرک کی کمر توڑ کر رکھ دی گئی ۔

اس ضمن میں مسلمانوں کی جماعت کے نفقہ کالمسٹ عنصر یعنی منافقین کے نفاق کا پردہ بھی چاک کر دیا گیا ۔ یہ لوگ جنگ و قتال سے موت کے خوف کے باعث تو گُریزاں رہتے ہی تھے اب ایک نیا مرحلۂ امتحان یہ پیش آیا کہ حق کی تلوار اہلِ کُفر و شرک سے رشتہ داریوں، قرابتوں، محبّتوں، دوستیوں اور در پردہ تعلقات کے بندھنوں کو کاٹنے کے لئے بے نیام ہوا چاہتی تھی ۔ چنانچہ اوّلاً آیت ۱۶ میں واشگاف الفاظ میں فرما دیا گیا :

”کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے ، حالانکہ ابھی تو اللہ نے دیکھا ہی نہیں کہ کون ہیں وہ لوگ جو جہاد کا حق ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اُس کے رسُول اور اہل ایمان کے سوا کسی سے کوئی دلی تعلق نہیں رکھتے ! “

اور پھر آیت ۲۴ میں کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر صاف اعلان کر دیا :۔

”کہہ دو ، اے نبیؐ ! کہ اگر تمہیں اپنے والد، اپنے بیٹے، اپنے بھائی ، اپنی

بیویاں اور اپنے اعزہ و اقرباء اور وہ مال جو تم نے جمع کئے ہیں اور وہ
کاروبار جن کے مندے کا خوف تمہیں لاحق رہتا ہے اور وہ مکان جو
تمہیں بہت پسند ہیں عزیز تر ہیں اللہ سے اور اُس کے رسول سے اور
اُس کی راہ میں جہاد سے، تو جاؤ انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ
سُنائے اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہرگز راہ یاب نہیں کرتا!"

فتح مکہ کے فوراً بعد ۸ھ کا حج آنحضورؐ نے سابق انتظام ہی کے تحت ہونے
دیا۔ اگلے سال یعنی ۹ھ کے حج کے لئے آنحضورؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی امارت
میں قافلہ حج کو روانہ فرما چکے تھے کہ سُورۃ توبہ کی وہ چھ آیات نازل ہوئیں جو
اس سُورۃ مبارکہ کے آغاز میں درج ہیں اور جن میں مشرکین سے اعلانِ برأت
بھی کر دیا گیا اور حج کے موقع پر اس اعلانِ عام کا حکم بھی دے دیا گیا کہ حرمت
والے مہینوں کے ختم ہوتے ہی مشرکینِ عرب کے خلاف آخری اقدام شروع کر
دیا جائے گا بفحوائے الفاظِ قرآنی:

"پس جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو ان مشرکوں کو جہاں
کہیں پاؤ قتل کرو، انہیں پکڑو، گھیرو اور ہر گھات کی جگہ اُن کی
تاک لگاؤ۔ پھر اگر یہ توبہ کر لیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں
تو انہیں چھوڑ دو!"

چنانچہ آنحضورؐ نے حضرتِ علیؓ کو بھیجا کہ وہ آپ کے ذاتی نمائندے کی حیثیت
سے حج کے اجتماع میں یہ اہم اعلان کر دیں۔ اور اس طرح گویا جزیرہ نمائے عرب
کی حد تک اللہ کے دین کے غلبے کی تکمیل کے بعد مشرکین کے خلاف جنگی اصطلاح
میں آخری MOPPING UP OPERATION شروع ہو گیا۔ اور
مشرکینِ عرب کے ضمن میں اس عذابِ الٰہی کی تکمیل ہو گئی جس کا آغاز غزوۂ بدر
سے ہوا تھا۔

سُورۃ توبہ کے چوتھے اور پانچویں رکوع کی آیات بھی اغلباً متذکرہ بالا آیات

سے متّصل ہی نازل ہوئیں اور ان میں ایک تو وارد ہوئی وہ اہم آیت جو قرآن مجید میں سورۂ فتح اور سورۂ صف دو اور مقامات پر وارد ہوئی ہے اور جس میں آنحضورؐ کے مقصدِ بعثت کو واشگاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے یعنی :-

"وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ تاکہ غالب کر دے اسے تمام ادیان یا پورے جنسِ دین پر، خواہ یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو!"

اور دوسرے اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے ساتھ بھی عام اعلانِ جنگ کر دیا گیا صرف اس رعایت کے ساتھ کہ اُن کے لئے اسلام اور تلوار کے علاوہ ایک تیسری صورت بھی ہے اور وہ یہ کہ وہ اسلامی ریاست کے ماتحت ہو کر زندگی بسر کرنے پر راضی ہوں اور مغلوب ہو کر جزیہ ادا کریں - گویا قانونِ ملکی یعنی LAW OF THE LAND اسلام ہی کا ہوگا، اس کے تحت PERSONAL LAW کی حد تک وہ اپنے طور طریقوں کے مطابق زندگی بسر کر سکتے ہیں - واضح رہے کہ آئندہ کے لئے یہی ضابطہ مسلمانوں کا مستقل دستور العمل قرار پایا اور خلافت راشدہ کے دوران جب اسلامی افواج جزیرہ نمائے عرب سے باہر نکلیں تو ان کی جانب سے ہمیشہ یہی تین صورتیں پیش کی جاتی رہیں کہ ایمان لے آؤ ہمارے بھائی اور ہر اعتبار سے برابر ہو جاؤ گے، ورنہ اسلام کی بالادستی قبول کر لو اور جزیہ ادا کرو، تمہیں جان و مال کا مکمّل تحفّظ مل جائے گا، بصورتِ آخر میدان میں آؤ، تلوار ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی - چوتھی کوئی صورت موجود نہیں ہے!

آنحضورؐ کی دعوت کے بین الاقوامی مرحلے کا آغاز صلح حدیبیہ کے بعد سلاطین و ملوک کے نام دعوتی خطوط سے ہوا - بدبخت خسرو پرویز والیٔ ایران نے آنحضورؐ کے نامۂ مبارک کو چاک کر دیا - قیصرِ روم چونکہ عیسائی تھا اسے آنحضورؐ کو پہچاننے میں قطعاً دیر نہ لگی، لیکن اس نے کوشش کی کہ جس طرح پہلے سلطنتِ رُوما نے اجتماعی طور پر عیسائیت قبول کی تھی اسی طرح اب بھی اجتماعی طور پر

اسلام لے آیا جائے تاکہ پورا نظامِ مملکت جوں کا توں قائم رہ سکے۔ لیکن اُسے اس میں کامیابی نہ ہوئی اور اس طرح وہ خود بھی دولتِ ایمان اور نعمتِ اسلام سے محروم رہ گیا۔ عزیزِ مصر بھی اگرچہ ایمان تو نہ لایا تاہم اُس نے آنحضورؐ کے ساتھ اعزاز و اکرام کا معاملہ کیا۔ سب سے زیادہ اشتعال انگیز معاملہ شرجیل بن عمرو والیٔ بصریٰ نے کیا کہ حضورؐ کے ایلچی کو قتل کر دیا۔ جس کے نتیجے میں پہلے جمادی الاولیٰ ۸ھ میں غزوۂ موتہ واقع ہوا اور پھر اگلے ہی سال یعنی ۹ھ میں تبوک کی مہم پیش آئی۔ یہ مرحلہ اسلام اور اہلِ ایمان کے لئے واقعتہً نہایت کٹھن تھا۔ اس لئے کہ جنگ وقت کی عظیم ترین عسکری قوت سے تھی اور بظاہر احوال معاملہ ممولے اور شہباز کی لڑائی کا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ عرب میں اجناس کی سخت قلت تھی اور قحط کا عالم تھا اور اب کھجور کی فصل تیار تھی اور اندیشہ تھا کہ اگر بروقت اُتاری نہ گئی تو یہ بھی تباہ ہو جائے گی۔ ادھر موسم انتہائی سخت گرمی کا تھا۔ الغرض اللہ تعالیٰ کی جانب سے اہلِ ایمان کے جذبۂ ایمانی کے امتحان کا بھرپور سامان کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ جس جس کے دل میں کوئی روگ تھا، یا نفاق جڑ پکڑ چکا تھا یا جذباتِ ایمانی میں ادنیٰ درجے کا اِضمحلال بھی پیدا ہو گیا تھا اُن سب کا معاملہ ظاہر ہو گیا۔ اندریں حالات سفر پر روانگی سے قبل، سفر کے دوران اور پھر واپسی پر جو حالات و واقعات پیش آئے اور اُن پر تبصروں کے طور پر جو خطباتِ الٰہی آیاتِ قرآنی کی صورت میں نازل ہوئے، اُن میں ایمان، ضُعفِ ایمان اور نفاق تینوں کے اوصاف و خصائص کی کامل وضاحت ابدالآباد تک کے لیئے کر دی گئی۔ صادقُ الاُیمان لوگوں کے لئے تو جیسا کہ سُورۂ انفال میں واضح کر دیا گیا تھا، اس کے سوا کوئی راہ ہے ہی نہیں کہ وہ اللہ اور رسول کی ہر پکار پر فوراً لبیک کہیں اور نہ کسی تعلقِ دنیوی کو راستے میں حائل ہونے دیں نہ کسی خوف یا خطرے یا اندیشے کو، اور اگر کوئی انہیں خطرات سے ڈرائے تو ان کا جواب یہ ہو کہ:۔

"کہہ دو ہم پر کوئی چیز وارد نہیں ہو سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے ہمارے

لئے لکھ دی ہو۔ اور وہ ہمارا مولیٰ ہے اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے
اہلِ ایمان کو۔ کہہ دو کہ تم ہمارے بارے میں دو بھلائیوں کے سوا
آخر اور کس چیز کی توقع کر سکتے ہو یعنی ہم سب شہید ہو جائیں تب
بھی ہمارے نزدیک تو یہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اور اگر کامیاب
لوٹ آئیں تو اسے تو تم بھی کامیابی قرار دو گے !"

یہ اس لئے کہ بفحوائے الفاظ آیت ۱۱۱ :

"اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے جملہ اموال پہلے
ہی جنت کے عوض خرید کر چکا ہے۔"

گویا ایک مومنِ صادق تو منتظر ہوتا ہے کہ اب جو یہ جان و مال اللہ کی امانت کے طور پر اس کے پاس ہیں، کب اللہ انہیں وصول فرما لے اور وہ امانت کے اس بارِ گراں سے سبکدوش ہو جائے ــــ رہے کسی سبب سے وقتی طور پر ضعفِ ایمان میں مبتلا ہو جانے والے لوگ تو تین انصاری صحابہؓ کی سرگزشت کے ذریعے واضح کر دیا گیا کہ ایسے لوگوں سے جب کوئی تقصیر ہو جاتی ہے تو وہ جھوٹے بہانے نہیں بناتے بلکہ اپنا قصور تسلیم کر لیتے ہیں اور اصلاح کی کوشش کرتے ہیں چنانچہ اللہ بھی انہیں توبہ کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ اور بالآخر اُن کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ اس کے برعکس ہے معاملہ منافقین کا۔ یہ اپنی کوتاہیوں پر جھوٹے بہانوں، حتّٰی کہ جھوٹی قسموں کا پردہ ڈالتے ہیں اور رفتہ رفتہ انہیں وہ لوگ بُرے لگنے لگتے ہیں جو اللہ اور اس کے دین کے غلبے کے لئے جان و مال کی بازیاں کھیل رہے ہوں۔ اس لیے کہ اس طرح اُن کی بے عملی، اور بزدلی مزید نمایاں ہوتی ہے اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ انہیں اسلام و ایمان اور مسلمینِ قانتین اور مومنینِ صادقین سے دشمنی اور عداوت ہو جاتی ہے اور تب اُن کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے اور ان کی محرومی اور بدبختی اس درجہ کو پہنچ جاتی ہے کہ اُن کے حق میں نبی کا استغفار بھی مفید نہیں رہتا بفحوائے

الفاظِ قرآنی :

"اے نبیؐ! آپ خواہ ان کے لئے استغفار کریں خواہ نہ کریں، اگر آپ ان کے لئے ستر بار استغفار کریں تب بھی اللہ انہیں معاف نہیں فرمائے گا، یہ اس لئے کہ انہوں نے درحقیقت اللہ اور اُس کے رسولؐ دونوں کا کفر کیا ہے، اور اللہ ایسے فاسقوں کو راہ یاب نہیں کرتا!"

اعاذنا اللہ مِنْ ذٰلِك !

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ !

تیسرا گروپ

سُورۂ یُونس، سُورۂ ھُود، سُورۂ یُوسف

(تقریر نمبر ۱۱) خلاصۂ تفسیر سُورۂ یونس و سُورۂ ہود

قرآنِ حکیم میں گیارھویں پارے میں سُورۂ یونس سے لے کر اٹھارویں پارے میں سُورۂ مومنون تک ۱۴ مکّی سُورتوں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس میں مضامین اور ربطِ کلام کے اعتبار سے اکثر سُورتیں تو جوڑوں کی شکل میں ہیں لیکن بعض بالکل منفرد مزاج کی حامل ہیں۔ اگرچہ یہ بھی ثانوی اعتبار سے کسی جوڑے ہی کے ساتھ منسلک ہیں۔ اس طرح بنظرِ غائر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بڑے گروپ میں تین تین سُورتوں پر مشتمل چھوٹے گروپ تشکیل پا گئے ہیں۔ جن میں مضامین کی بڑی مناسبت و مشابہت پائی جاتی ہے۔

ان میں سے پہلا گروپ سُورۂ یُونس، سُورۂ ہود اور سُورۂ یوسف پر مشتمل

ہے ۔ جن میں سے سُورۂ یونس اور سُورۂ ہود میں تو بعینہٖ وہی نسبت باہمی پائی جاتی ہے جو ہم اس سے قبل سُورۂ انعام اور اعراف میں دیکھ چکے ہیں ۔ البتہ سُورۂ یوسف بالکل منفرد سُورت ہے جس میں از اوّل تا آخر صرف ایک نبی یعنی حضرت یُوسف علیہ السلام کے حالات وواقعات تفصیلاً بیان ہوئے (اس کی ایک ہی اور مثال پورے قرآن میں سُورۂ طٰہٰ کی ہے جس میں اسی طرح از ابتداء تا انتہاء حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے حالات وواقعات کا ذکر ہے)

سُورۂ یونس اور سُورۂ ہود دونوں مکّی دور کے اواخر میں نازل ہوئیں اور غالباً سُورۂ ہود سُورۂ یونس سے قبل نازل ہوئی ۔ ان دونوں اور بالخصوص سُورۂ ہُود کے مضامین کا انداز ایسا ہے جیسے عذاب الٰہی آیا چاہتا ہو اور ہلاکت اور بربادی کے سیلاب کا بند بس ٹوٹنے والا ہو ۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ اِن سُورتوں کے نزول کے زمانے میں آنحضورؐ صدمے کے باعث بوڑھے نظر آنے لگے تھے اور حضرت ابوبکرؓ کے استفسار پر آپؐ نے فرمایا بھی کہ : " شَيَّبَتْنِيْ هُوْدٌ وَ اَخَوَاتُهَا " " مجھے ہود اور اس کی ہم مضمون سُورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے " !

سُورۂ یونس اور سُورۂ ہود کے مابین جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، وہی نسبت ہے جو سُورہ انعام اور سُورۂ اعراف میں کہ ایک میں " تَذْكِيْر بِآلَاءِ اللّٰه " پر زیادہ زور ہے اور دوسری میں " تَذْكِيْر بِاَيَّامِ اللّٰهِ " پر چنانچہ سُورۂ یونس کے گیارہ رکوعوں میں سے صرف دو میں قصص المرسلین کا ذکر ہے اور بقیہ پوری سُورت میں آفاق والنفس کے دلائل اور فطرت کی بدیہی شہادتوں سے توحید، معاد اور رسالت کو مبرہن کیا گیا ہے ۔ جبکہ سُورۂ ہود کے دس رکوعوں میں سے سات میں رسُولوں کے حالات اور ان کی قوموں پر عذاب کی تفاصیل بیان ہوئی ہیں اور صرف تین رکوعوں میں اصولی مباحث وارد ہوئے ہیں ۔ جن رسُولوں کا ذکر ان دونوں سُورتوں میں ہوا وہ وہی چھ " اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ " ہیں ۔ جن کا ذکر سُورۂ اعراف میں آچکا ہے یعنی حضرات نوحؑ،

ہود، صالح، لوط، شعیب و موسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہم الصّلوٰۃ والسّلام - ان کے علاوہ صرف ایک رسُول یعنی حضرت یُونس کا ذکر سُورۂ یونس میں مزید آیا ہے لیکن وہ بالکل ضمنی طور پر ـــــ پھر سُورۂ یُونسؑ اور سُورۂ ہُود کے مابین یہ عکسی ترتیب بھی بڑی دلچسپ ہے کہ سُورۂ یُونس میں ان چھ رسُولوں میں سے آخری یعنی حضرت موسیٰؑ کا ذکر نہایت مفصّل ہوا اور پہلے یعنی حضرت نوحؑ کا مجملاً ـــــ اور بقیہ چار کے صرف مجموعی ذکر پر اکتفا کیا گیا - جب کہ سُورۂ ہود میں حضرت نوحؑ کا ذکر بہت مفصّل ہوا اور حضرت موسیٰؑ کا نہایت مجمل، اور بقیہ چار کے ذکر کے لئے بھی پورا پورا ایک رکوع وقف کیا گیا -

اولو العزم رسُولوں کے اس ذکر کی اصل اور نمایاں غرض تو ظاہر ہے کہ مشرکین عرب بالخصوص قریش مکّہ کو انذار یعنی خبردار کرنا ہے کہ جس طرح تمہارے پاس ہمارے رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم آئے ہیں - اسی طرح ہم نے تمہارے ملک اور اس کے اطراف وجوانب میں سابق اقوام کے پاس بھی اپنے رسول بھیجے تھے - اور جس طرح تم ان کا انکار کر رہے ہو اور بجائے ایمان کے کفر واعراض کی روش اختیار کر رہے ہو - اسی طرح انہوں نے کیا تھا تو تم جانتے ہی ہو کہ ان کو ہم نے کیسے نیست ونابود اور نسیاً منسیاً کر دیا ـــــ تو اب خود غور کر لو کہ تم اپنے آپ کو کس انجام کا مستحق بنا رہے ہو! ـــــ دوسرا اہم پہلو اس میں آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے ساتھی اہلِ ایمان کے لئے تبشیر کا ہے کہ جس طرح سابقہ رسولوں اور ان کے ساتھیوں پر مصائب آئے اور اُن کا استہزا بھی کیا گیا اور اُن پر تشدّد بھی کیا گیا - لیکن بالآخر کامیاب وہی ہوئے اور اللہ کی تائید ونصرت ان کے شامِل حال ہوتی اسی طرح بالآخر کامیاب تم ہی رہو گے - البتہ اہلِ ایمان کے صبر وثبات اور عزم وہمّت کا امتحان اللہ ضرور لیا کرتا ہے اس کے لئے تمہیں بھی تیار رہنا چاہیئے - چنانچہ سُورۂ یونس کا اختتام ہوا ان الفاظ پر کہ: وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ (یعنی صبر

کرو یہاں تک کہ اللہ فیصلہ صادر فرمادے اور اللہ ہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے) اور سورۂ ہود کے آخر میں پہلے آیت نمبر ۱۱۵ میں فرمایا: "اور صبر کرو، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ خوب کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا!" اور پھر آیت نمبر ۱۲۰ تا آیت نمبر ۱۲۳ میں فرمایا: "ان رسُولوں کی تمام سرگزشتیں ہم تمہیں اس لئے سُنا رہے ہیں کہ ان کے ذریعے تمہارے دل کو تقویت دیں، چنانچہ ان میں تمہارے لئے بھی حق الیقین مضمر ہے اور اہلِ ایمان کے لئے بھی نصیحت اور یاد دہانی، اور جو لوگ ایمان نہیں لا رہے ان سے ڈنکے کی چوٹ کہہ دو کہ تم اپنی سی کئے جاؤ، ہم بھی پورا زور صرف کریں گے پھر نتیجہ کا انتظار تم بھی کرو اور آسمانوں اور زمین کا غیب تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے اور اسی کی طرف تمام امور فیصلہ کے لئے لوٹتے ہیں۔ ——— پس اسی کی بندگی کرو اور اسی پر بھروسہ رکھو اور جو کچھ تم کر رہے ہو تمہارا رب اس سے بے خبر ہرگز نہیں ہے!"

سُورۂ یُونس میں حضرت یونسؑ کا ذکر بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے کہ ایسا نہ ہو مسلمان حضرت یونسؑ کی طرح جلدی میں کوئی اقدام کر بیٹھیں تو اس کا فائدہ تمام تر کفّار کو ہوگا جیسا کہ حضرت یُونسؑ کی قوم کو ہوا کہ ان پر آیا ہوا عذاب ٹل گیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ مسلمان اللہ کی طرف سے کسی تادیبی سلوک کے مستحق ٹھہریں۔ جیسا کہ معاملہ ہوا تھا حضرت یونسؑ کے ساتھ! پس مسلمانوں کو کفّار کی تعذیب و ایذاء پر صبر کرتے ہوئے اپنی دعوت و تبلیغ کا کام جاری رکھنا چاہیئے اور فیصلہ تمام تر اللہ کے حوالے کر دینا چاہیئے!

ایمانیاتِ ثلٰثہ یعنی توحید، معاد اور رسالت میں سے ان دونوں سُورتوں میں اصل زور رسالت کے اثبات اور بالخصوص آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نبوّت کے ثبوت کے طور پر قرآن مجید کے اعجاز پر دیا گیا ہے۔ چنانچہ دونوں سُورتوں کا آغاز قرآنِ حکیم کے ذکر ہی سے ہوتا ہے۔ سُورۂ یُونس میں اختصار کے ساتھ کہ: "الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ" (یہ حکمت والی کتاب کی

آیتیں ہیں،) پھر سورۂ ہود میں کہ : " الٓرٰ قف کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ "ط (یہ قرآن ایسی کتاب ہے جسکی آیات پہلے محکم کی گئیں اور پھر انکی تفصیل کی گئی اس ہستی کی جانب سے جو کمال حکمت کی حامل اور ہر چیز سے باخبر ہے !) مزید برآں دونوں سورتوں میں قرآن مجید کے ضمن میں چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر تم اس کے بارے میں شک کرتے ہو کہ یہ محمدؐ کی اپنی تصنیف ہے تو ذرا تم بھی طبع آزمائی کر دیکھو اور تمام خطیبوں ، شاعروں اور ادیبوں کو جمع کر کے کوشش کرو کہ اس جیسی دس بلکہ ایک ہی سورت تصنیف کر سکو ، چنانچہ سورۂ ہود میں فرمایا : " اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ط قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ " (یعنی کیا ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ اسے تم نے خود گھڑ لیا ہے ، تو کہہ دو کہ لاؤ اس جیسی دس سورتیں گھڑی ہوئی اور اللہ کے سوا جسے چاہو مدد کے لئے بلا لو اگر تم سچے ہو —— پھر اگر وہ تمہارا یہ چیلنج قبول نہ کریں تو یقین کرنا چاہیئے کہ یہ اللہ کے علم ہی سے نازل ہوا ہے ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ، تو اب بھی سلام لاتے ہو یا نہیں !) —— اور سورۂ یونس میں اس چیلنج کو آخری منطقی حد تک پہنچا دیا کہ : مَاكَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ یُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (یعنی یہ قرآن ہرگز ایسی کتاب نہیں ہے کہ خدا کے سوا کوئی اور اسے تصنیف کر سکے !) اور یہ کہ : اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ (کیا ان کا کہنا یہ ہے کہ اس نے اسے خود گھڑ لیا ہے تو کہہ کہ اگر تم سچے ہو تو خدا کے سوا جس کو بھی بلا سکو بلا لو اور سب مل کر اس جیسی ایک ہی سورت پیش کر کے دکھا دو !) —— اس کے علاوہ دونوں ہی سورتوں میں یہ مضمون

بھی وارد ہوا ہے کہ کفار و مشرکین نے تھک ہار کر مصالحت کی غرض سے یہ تجویز پیش کی کہ اس قرآن میں قدرے ترمیم کر دو تو ہم تسلیم کر لیں گے، اس خیال سے کہ بالفرض کسی امن پسند اور صلح جو شخص کے دل میں ان کے اس دامِ ہم رنگِ زمیں کے لئے کوئی نرم گوشہ پیدا ہو جائے۔ سورۂ ہود میں بظاہر آنحضور سے خطاب کرتے ہوئے لیکن اصلاً بطرزِ تعریض کفار کو ملامت کرتے ہوئے فرمایا:

"تو شاید کہ تم اپنی جانب کی گئی وحی میں سے کچھ کو ترک کر دو گے اور تمہارا سینہ ان کے اس قول پر بھنچ کر رہ جاتا ہے کہ ان پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا اور ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا۔ تو جان لو کہ تمہارا کام صرف خبردار کر دینا ہے، باقی ہر چیز کا اصل ذمہ دار اللہ ہے!" اور سورۂ یونس میں فرمایا:

"جب ان کو ہماری آیات بیّنات سنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں کو ہمارے حضور میں حاضری کا یقین نہیں — وہ کہتے ہیں کہ یا تو کوئی اور قرآن پیش کرو، یا اس میں ترمیم کرو۔ کہہ دو! میرے لئے ہرگز ممکن نہیں ہے کہ میں اپنے جی سے اس میں تغیّر و تبدّل کر سکوں، میں تو خود پابند ہوں اس کا جو میری جانب وحی کیا جاتا ہے اور اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو خود مجھے بھی اپنے رب سے بڑے دن کی سزا کا خوف ہے!" — اور یہی ہے وہ بات جو سورۂ یونس کے اختتام پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے فرمائی گئی کہ: "اتّباع کئے جاؤ اس کا جو تمہاری طرف وحی کیا جا رہا ہے!" اور آیت ۵۷، ۵۸ میں خطاب عام کے انداز میں فرمائی گئی کہ: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْیَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ۝ (یعنی "لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت، سینوں کے امراض کی شفا اور اہل ایمان کے لئے ہدایت و رحمت آ گئی ہے۔ کہہ دو کہ اللہ کے فضل کا کرشمہ اور اس کی رحمت کا ظہور

ہے تو چاہیئے کہ لوگ اس پر شاداں و فرحاں ہوں - اس لئے کہ یہ ان سب چیزوں سے بہت بہتر اور قیمتی ہے جنہیں یہ جمع کر رہے ہیں!)"

آنحضورؐ کی نبوّت و رسالت اور قرآن مجید کے ذکر کے بعد سب سے نمایاں مضمون ان دونوں سُورتوں میں انذار کا ہے جس میں اس مرحلے کی مناسبت سے جس میں یہ نازل ہوئی ہیں کافی شدّت اور غضبناکی کا انداز پایا جاتا ہے - چنانچہ ان میں ایک جانب سُورۂ کافرون کا سا اعلانِ برأت بھی موجود ہے - جیسے سُورۂ یونس کی آیت ۴۱ میں فرمایا: "اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ بھی کہہ دیں کہ میرے لئے ہے میرا عمل اور تمہارے لئے ہے تمہاری کمائی، تم بری ہو میرے اعمال سے اور میں بری ہوں تمہارے کرتوتوں سے!" اور آیت ۱۰۴ میں فرمایا: "کہہ دو اے لوگو! اگر تمہیں میرے موقف کے بارے میں کوئی شک ہے تو سن رکھو کہ میں ہرگز پوجنے والا نہیں ہوں جنہیں تم پوجتے ہو اللہ کے سوا، میں تو اس اللہ کا پوجنے والا ہوں جو تمہاری جانیں قبض کرے گا اور مجھے تو یہی حکم ہوا ہے کہ اس پر ایمان رکھنے والوں میں شامل رہوں!"

—— اور دوسری طرف عذاب کی بھی شدید دھمکی پائی جاتی ہے، مثلاً سُورۂ یونس کی آیت ۴۷ تا ۵۲ میں فرمایا: "ہر اُمّت کے لئے ایک رسُول ہوتا ہے تو جب اُن کا رسول آجاتا ہے تو ان کا قضیہ انصاف کے ساتھ چکا دیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا، اور وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچّے ہو تو بتاؤ یہ وعدہ ہمارے بارے میں کب پورا ہوگا - کہہ دو کہ جہاں تک میرا تعلّق ہے تو مجھے تو خود اپنے نفع و نقصان کا بھی کوئی اختیار حاصل نہیں، سوائے اس کے کہ اللہ ہی کا فیصلہ صادر ہو جائے —— البتہ ہر قوم کے لئے ایک متعیّن وقت ہوتا ہے، تو جب وہ متعیّن وقت آجاتا ہے تو نہ ایک گھڑی پیچھے ہو سکتا ہے نہ آگے ان سے کہو کہ اللہ کا عذاب رات کو آئے یا دن کے وقت، آخر ان کے پاس حفاظت کا وہ کون سا سامان ہے جس کے بھروسے پر عذاب کی جلدی مچائے جا رہے ہیں، تو اے لوگو! کیا تم اس وقت مانو گے جب عذابِ الٰہی آہی دھمکے گا؟ اس

وقت کہا جائے گا کہ اب ماننے سے کیا فائدہ، جبکہ پہلے تم اس کے لئے جلدی مچاتے رہے، اب تو بس ہمیشہ کے لئے عذاب ہی کا مزا چکھو، یہ تمہاری اپنی کمائی ہے جس کا بدلہ تم پا رہے ہو ــــ اور یہ پوچھتے ہیں کیا واقعی شُدنی ہے جو تم کہہ رہے ہو - کہہ دو ہاں میرے رب کی قسم یہ اٹل ہے اور جب وہ آئے گا تو تم ہرگز اس کے قابو سے نہ نکل سکو گے!"

کفار و مشرکین کو انذار کے ساتھ ساتھ ان دونوں سُورتوں میں اہل ایمان کے لئے تبشیر کا رنگ بھی بہت نمایاں ہے - چنانچہ سُورۂ یُونس کی دوسری آیت ہی میں جہاں حضورؐ کو یہ حکم ہوا کہ لوگوں کو ان کی بدعملی و بدکرداری کے انجام سے خبردار کر دو وہاں ساتھ یہ ہدایت بھی ملی کہ اہلِ ایمان کو بشارت دے دو کہ: " اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ " (یعنی ان کے لئے اُن کے رب کے پاس بڑا بلند رُتبہ ہے!) اور پھر اسی سُورت کی آیات ۹، ۱۰ میں اس کی تشریح فرمادی: "جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اللہ اُن کو اُن کے ایمان کی بدولت ان کی منزلِ مراد تک پہنچا دیگا۔ یعنی نعمت کے باغوں میں جن کے دامن میں نہریں بہہ رہی ہوں گی اور وہاں ان کا ترانہ ہوگا حمدِ باری تعالیٰ پر مشتمل، اور آپس کا دُعائیہ کلمہ ہوگا سلام! اور آخری بات ان کی یہی ہوگی کہ ساری تعریف اور تمام شکر اللہ ہی کیلئے ہے جو تمام جہانوں کا پالن ہار ہے۔" اور آیات ۶۲ تا ۶۴ میں فرمایا کہ: "آگاہ ہو جاؤ! اللہ کے دوستوں کے لئے نہ کوئی خوف کا مقام ہے اور نہ رنج کا اندیشہ، یعنی ان کے لئے جو ایمان لائے اور تقویٰ پر کاربند رہے، ان کے لئے بشارتیں ہی بشارتیں ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اللہ کی باتوں کا بدلنے والا کوئی نہیں، اور یہی عظیم کامیابی ہے!" اللہ تعالیٰ اپنے کمال فضل و کرم سے ہمیں بھی اس میں سے حصہ عطا فرمائے -

آمین یارب العالمین!

تقریر نمبر ۱۲

خلاصۂ تفسیر

سُورۂ یُوسف

سُورۂ یُوسف جو قرآن مجید میں بارھویں پارے کے ثلثہ سے قبل شروع ہوتی ہے، اور تیرھویں پارے کے رُبع کے بعد ختم ہوتی ہے۔ ۱۱۱ آیات اور ۱۲ رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اور اس میں سوائے ابتدائی دو اور آخری دس آیات کے از اوّل تا آخر ایک ہی نبی یعنی حضرت یُوسف علیہ السّلام کے حالات و واقعات بیان ہوئے ہیں۔ قرآن حکیم میں اس کی کامل مثال تو ایک ہی اور ہے یعنی سُورۂ طٰہٰ، البتہ قریبی مثال ایک اور بھی ہے یعنی سُورۂ قصص۔ اور یہ دونوں اسی طرح کُل کی کُل حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے حالات پر مشتمل ہیں، اور عجب اتفاق ہے کہ ان دونوں کا گہرا تعلق بنی اسرائیل کی تاریخ سے ہے کہ حضرت یُوسفؑ کے زمانے میں یہ مصر میں داخل ہوئے اور حضرت موسیٰؑ کے عہد میں اُن کا مصر سے نکلنا ہوا۔ مزید برآں ان دونوں کے حالات میں بھی ایک عجیب مشابہت ہے کہ حضرت یُوسفؑ کو ان کے اپنے بھائیوں نے حسد کی بنا پر کنوئیں میں ڈالا۔ لیکن اللہ نے اپنے فضل سے انہیں مصر ایسے متمدّن ملک کے دارالحکومت میں نہایت سربرآوردہ گھرانے میں پہنچا دیا۔ اسی طرح موسیٰؑ کو ان کی والدہ نے دشمنوں کے خوف سے اللہ کے اشارے پر دریا میں ڈالا اور انہیں بھی اللہ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے فرعون کے محل میں پہنچا دیا۔ گویا دونوں کے حالات و واقعات کا اصل ماحصل یہ ہے کہ: "وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِہٖ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ"

(یعنی اللہ اپنے ارادوں کی تکمیل اور اپنے فیصلوں کی تنفیذ پر پوری طرح قادر ہے لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں!) اس میں گویا نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کے لئے تسلّی اور دلجوئی مضمر ہے کہ اس وقت سرزمینِ مکّہ میں جن نامساعد حالات کا تمہیں سامنا ہے اور جس قسم کی تکالیف اور مصائب نے تمہیں گھیر رکھا ہے ان سے دل شکستہ نہ ہو، اللہ قادر ہے اس پر کہ ظاہری مایوسی کی اس سیاہ رات کا پردہ چاک کر کے اُمّید کی صبحِ روشن طلوع فرما دے اور تمہارے دشمنوں کی مخالفانہ تدابیر ہی کو تمہارے حق میں خیر و برکت اور کامیابی و کامرانی کا ذریعہ بنا دے۔ اس طرح پوری سورۂ یوسف گویا سورۂ ہود کے آخر میں وارد ہونے والی آیت: " وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِۦ فُؤَادَكَ " کی تشریح و تفصیل کی حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ واقعہ یہی ہے کہ مشرکین مکّہ نے تو آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مکّہ سے ہجرت کر کے چلے جانے کو اپنی بڑی کامیابی سمجھا ہو گا لیکن اللہ تعالےٰ نے اسی کو حضورؐ کے تمکّن فی الارض یعنی زمین میں قدم جمانے کا ذریعہ بنا دیا اور کُل دس سال بعد آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم فاتح کی حیثیت سے مکّہ میں داخل ہوئے اور بعینہٖ وہی صورت پیش آئی جو لگ بھگ ڈھائی ہزار سال قبل پیش آئی تھی کہ جس طرح برادرانِ یوسفؑ حضرتِ یوسفؑ کے سامنے شرمندگی اور خجالت کا مجسّمہ بنے کھڑے تھے لیکن حضرت یوسفؑ نے کمال مروّت سے فرمایا تھا: " لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ ٱلْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ ٱللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ ٱلرَّٰحِمِينَ " اسی طرح جب قریش کے چھوٹے بڑے بھی آنحضورؐ کے سامنے ناکامی اور شکست خوردگی کی تصویر بنے کھڑے تھے تو حضورؐ نے فرمایا تھا: " آج میں بھی تم سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسفؑ نے کہا تھا، تم پر نہ کوئی ملامت ہے نہ سرزنش، جاؤ تم سب آزاد ہو!" الغرض سورۂ یوسف کا اصل سبق یہی ہے کہ بندۂ مومن اور داعیٔ حق کو حالات کی

ناموافقت و ناموافقت سے ہرگز ہراساں نہیں ہونا چاہیئے، اور اسے اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنا فرض ادا کئے چلے جانا چاہیئے۔ رہے نتائج تو انہیں بالکلیہ اللہ کے حوالے کر دینا چاہیئے، وہ اپنی حکمتِ بالغہ اور قدرتِ کاملہ سے جب چاہے گا کامیابی کی صورتیں پیدا فرما دے گا۔ ویسے بھی مومن کا اصل مطلوب و مقصود آخرت کی سرخروئی ہے۔

اللہ تعالٰی نے حضرت یوسفؑ کے حالات و واقعات کو "اَحْسَنَ الْقَصَصِ" سے تعبیر فرمایا ہے، اس لیئے مناسب ہے کہ اس موقع پر ان کا ایک خلاصہ بیان کر دیا جائے۔

حضرت یوسفؑ حضرت ابراہیمؑ کے پڑپوتے تھے، اُن کا شجرۂ نسب یہ ہے، یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کو تو حجاز میں بیت اللہ کے جوار میں آباد کر دیا تھا۔ لیکن اپنے دوسرے بیٹے حضرت اسحٰقؑ کو موجودہ شرقِ اُردن کے علاقے میں آباد کیا تھا۔ چنانچہ وہیں اُن کے فرزند حضرت یعقوبؑ آباد تھے۔ حضرت یعقوبؑ کے دو بیویوں سے بارہ بیٹے تھے، جن میں دس بڑی بیوی سے تھے اور دو چھوٹی سے۔ ان میں سے ایک حضرت یوسفؑ تھے اور دوسرے ان کے حقیقی بھائی بن یامین، حضرت یعقوبؑ کو ان دونوں سے (غالباً چھوٹے ہونے کی وجہ سے بھی) پیار زیادہ تھا۔ لیکن خصوصاً حضرت یوسفؑ سے انہیں شدید محبت ان میں رُشد و سعادت اور ہونہاری کے آثار کی بنا پر تھی۔ حضرت یعقوبؑ کے اس حسنِ ظن کی توثیق حضرت یوسفؑ کے ایک خواب سے بھی ہو گئی جس میں انہوں نے دیکھا کہ گیارہ ستارے اور چاند اور سورج ان کے سامنے سربسجود ہیں۔ جب حضرت یوسفؑ نے اپنا یہ خواب اپنے والدِ ماجد کو سُنایا تو انہوں نے حضرت یوسفؑ کو اللہ کی جناب میں پسندیدگی و برگزیدگی کی بشارت سُنانے کے ساتھ ساتھ اس خواب کو بھائیوں کے سامنے بیان کرنے سے منع کر دیا، مبادا وہ حسد کی آگ میں جلنے لگیں اور حضرت یوسفؑ کو کوئی گزند

پہنچانے کی کوشش کریں۔ لیکن ان کی اس تمام احتیاط کے باوجود حسد کی چنگاری برادرانِ یوسفؑ کے دلوں میں بھڑک اٹھی اور انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ اس کانٹے کو راہ سے کیسے ہٹایا جائے۔ بعض کا خیال تھا کہ انہیں قتل کر دیا جائے لیکن سب سے بڑا جو نسبتاً شریف النفس تھا، مُصر ہوا کہ اس کے بجائے انہیں کسی کنوئیں میں پھینک دیا جائے۔ اس طرح وہ کسی قافلے کے ہاتھ لگ جائیں گے جو انہیں کسی اور ملک میں لے جائے گا۔ اس طرح بھائی کی جان بھی نہ جائے گی اور راستے کا کانٹا بھی ہٹ جائے گا۔ چنانچہ اسی کے مطابق انہوں نے حضرت یعقوبؑ سے اجازت چاہی کہ حضرت یوسفؑ کو اُن کے ساتھ شکار پر بھیج دیں تاکہ وہ بھی کچھ کھیل کود لیں۔ حضرت یعقوبؑ نے پہلے تو لیس و پیش سے کام لیا اور فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم اس کی جانب سے غافل ہو جاؤ اور اسے کوئی بھیڑیا پھاڑ ڈالے۔ لیکن پھر ان کے اصرار پر اجازت دیدی۔ انہوں نے اپنی قرارداد کے مطابق حضرت یوُسفؑ کو تو کنوئیں میں پھینک دیا اور ان کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون لگا لائے اور والد کی خدمت میں وہی کہانی گھڑ کر پیش کر دی جس کا اندیشہ خود انہوں نے ظاہر کیا تھا۔ انہوں نے ان کی اس بات کو تو نہ مانا تاہم صبر کی روش اختیار کرلی! ——— اغلب گمان یہ ہے کہ حضرت یوُسفؑ کی پیدائش ۱۹۰۶ قبل مسیح میں ہوئی اور ۱۸۹۰ قبل مسیح میں جب آنجنابؑ کی عمر کا سترھواں سال تھا، کنوئیں میں پھینکے جانے کا یہ واقعہ پیش آیا جس میں وہ تین دن رات رہے۔ واضح رہے کہ یہی مدّت ہے جو آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے غارِ ثور میں بسر کی تھی ——— بہرحال تین دن کے بعد ایک قافلے کا گزر ادھر سے ہوا اور ان کے سقّے نے کنوئیں میں ڈول ڈالا تو حضرت یوسفؑ نکل آئے۔ قافلے والوں نے انہیں فروختنی مال سمجھ کر چھُپا لیا، وہ مصر جا رہے تھے، وہاں پہنچتے ہی انہوں نے حضرت یوسفؑ کو جلدی سے اونے پونے بیچ ڈالا۔ مبادا ان کا کوئی دعویدار پہنچ جائے اور انہیں

لینے کے دینے پڑ جائیں، مصر میں غلاموں کی منڈی سے حضرت یوسفؑ کو خریدنے والا حکومتِ مصر کا ایک بڑا عہدیدار تھا۔ اس نے انہیں اپنی بیوی کے حوالے کیا اور تاکید بھی کر دی کہ اسے اچھی طرح رکھو، ہو سکتا ہے کہ یہ ہمارے لئے مفید ثابت ہو۔ بلکہ کیا عجب کہ اسے اپنا مُتبنّٰی ہی بنا لیں! اس طرح اللہ نے حضرت یوسفؑ کی وقت کی سب سے متمدن مملکت کے ایک بڑے عہدیدار کے گھر میں پرورش کا سامان کر دیا اور خود ان کے مسندِ اقتدار تک پہنچنے کی راہ ہموار کر دی۔ سُورۂ یوسفؑ میں اس مقام پر وارد ہوئے ہیں وہ الفاظ جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے یعنی :- " وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ "

"اور اللہ اپنے فیصلوں کی تنفیذ پر پوری طرح قادر ہے لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں"

حضرت یُوسفؑ جوان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک طرف تو انہیں علم و حکمت سے اور نبوّت سے سرفراز فرمایا اور دوسری جانب مردانہ حسن و وجاہت کا کامل مرقع بنا دیا اور یہی چیز ان کے لئے ایک نئی اور زیادہ مشکل آزمائش کا سبب بن گئی، عزیزِ مصر کے یہاں اندازاً چھ سال رہنے کے بعد وہ واقعہ پیش آیا کہ اس کی بیوی نے حضرت یوسفؑ کو گناہ کی دعوت دی جس کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم سے صاف ٹھکرا دیا۔ وہ بدنصیب عورت اس چوٹ سے مزید بھپر گئی اور تریاہٹ کے انداز میں اس پر تُل گئی کہ یا تو حضرت یوسفؑ اس کے پسندیدہ راستے پر چلیں ورنہ وہ انہیں سخت سزا دلوائے گی یا قیدخانے میں ڈلوا دے گی۔ اس مرحلے پر حضرت یُوسفؑ نے خود بارگاہِ ربّانی میں دُعا کی کہ:

" اے ربّ! جس چیز کی یہ مجھے دعوت دے رہی ہیں اس کی نسبت قیدخانہ مجھے زیادہ پسند ہے۔ اور اگر تو نے ہی ان کی چالوں کو مجھ سے دفع نہ کیا تو کوئی عجب نہیں کہ مَیں ان کی جانب مائل اور جذبات کی رَو میں بہہ جانے والوں میں سے ہو جاؤں!" اللہ نے ان کی یہ دُعا قبول کر لی۔ اور ایسی صورت پیدا ہو گئی کہ حضرت یوسفؑ قیدخانے میں ڈال دیئے گئے!

قید خانے میں حضرت یوسفؑ نے دعوت و تبلیغ کا کام شروع کر دیا، اور جب لوگ ان کی شرافت سے متاثر اور خصوصاً ان کی خوابوں کی تعبیر بتانے کی صلاحیت کی بنا پر ان کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ انہیں توحید کی دعوت دیتے کہ: "اے میرے زنداں کے ساتھیو! تم خود ہی سوچو کہ کیا الگ الگ بہت سے ربّ بہتر ہیں یا اکیلا اللہ جو سب پر غالب و قاہر ہے۔ تم لوگ اسے چھوڑکر جن کو پوجتے ہو ان کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ چھوڑے ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے کوئی سند نہیں اتاری، اختیار و اقتدار سب اللہ ہی کا ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو۔ یہی دینِ قیّم ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے!" —— زنداں کے ساتھیوں میں سے ایک کو حضرت یوسفؑ نے اس کے خواب کی تعبیر کے ضمن میں بتایا کہ وہ جلد رہا ہو جائے گا اور شاہِ مصر کی ساقی گری پر مامور ہو گا —— تاریخی اعتبار سے یہ جاننا مفید ہے کہ اس وقت مصر پر فراعنہ کا پانچواں خاندان حکمران تھا جنہیں چرواہے بادشاہ یا HYKSOS KINGS کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ اغلباً عربی النسل تھے اور چونکہ خود مصر سے باہر سے آئے ہوئے تھے اس لئے ان کے دلوں میں باہر سے آنے والوں کے لئے ایک نرم گوشہ موجود تھا اور غالباً یہی سبب ہے جس کی بنا پر بعد میں انہوں نے بنی اسرائیل کی حد درجہ پذیرائی کی —— بہر حال ہوا یہ کہ حضرت یوسفؑ کو قید خانے میں لگ بھگ سات سال ہو گئے تھے کہ ایک رات شاہِ مصر نے ایک خواب دیکھا جس کی تعبیر اُس کے درباریوں میں سے کوئی نہ بتا سکا تو اچانک اس کے ساقی کو حضرت یوسفؑ یاد آئے اور وہ بادشاہ کی اجازت سے قید خانے میں ان کے پاس حاضر ہوا اور اُن سے خواب کی تعبیر دریافت کر کے آیا۔ حضرت یوسفؑ نے نہ صرف یہ کہ خواب کی تعبیر بتائی بلکہ مصر پر جو مصیبت آنے والی تھی اُس سے بچاؤ کی تدبیر بھی بتا دی بادشاہ اس سے بے حد متاثر ہوا اور اُس نے

حضرت یوسفؑ کو قید خانے سے نکال کر نہ صرف یہ کہ اپنے خاص مصاحبین میں شامل کر لیا بلکہ حکومتِ مصر میں کسی نہایت اعلیٰ عہدے پر مقرر کر کے پیش آنے والی مصیبت سے نپٹنے کے لئے کُلّی اختیارات اُن کے حوالے کر دیئے۔ جب حضرت یوسفؑ اس عہدے پر فائز ہوئے اس وقت ان کی عمر تیس برس تھی اور پورے اسّی سال وہ اس منصب پر فائز رہے!

جس مصیبت کی خبر حضرت یوسفؑ نے بادشاہ کے خواب کی تعبیر کے ضمن میں دی تھی وہ ایک خوفناک قحط تھا جس نے نہ صرف مصر بلکہ اطراف و جوانب کے ملکوں کو بھی لپیٹ میں لے لیا۔ حضرت یوسفؑ نے اس کے لئے غلّے کا جو ذخیرہ کر لیا تھا اُس سے دُور دُور تک کے لوگوں کی جان بچانے کی صورت پیدا ہو گئی اور یہی تقریب ہوئی برادرانِ یوسفؑ کے مصر حاضر ہونے کی۔ وہ جب حضرت یوسفؑ کے سامنے پیش ہوئے تو آنجنابؑ نے تو انہیں پہچان لیا لیکن اُن کے سان گمان میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ جس بھائی کو انہوں نے پندرہ بیس سال قبل کنوئیں میں پھینکا تھا وہی آج عزیزِ مصر کی صورت میں اُن کے سامنے موجود ہے۔ حضرت یوسفؑ نے ان پر رحم کھایا اور انہیں غلّہ وغیرہ دیا لیکن اپنے آپ کو ان پر ظاہر نہ کیا، بلکہ اصرار کر کے اپنے بھائی بن یمین کو بھی مصر بلا لیا اور ایک ایسی تدبیر سے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے پیدا کی اُسے اپنے پاس روک لیا۔ یہ صورتِ حال جاری رہی تاآنکہ وہ وقت بھی آیا جب برادرانِ یوسفؑ کے پاس غلّہ خریدنے کے لئے پھوٹی کوڑی تک نہ رہی اور وہ حضرت یوسفؑ سے غلّے کی بھیک مانگنے پر مجبور ہو گئے۔ بھائیوں کا یہ حال حضرت یوسفؑ سے نہ دیکھا گیا اور انہوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو اُن پر ظاہر کر دیا بلکہ حکم دیا کہ والد ماجد حضرت یعقوبؑ سمیت پورے خاندان کو لے کر مصر آ جاؤ اور یہیں سکونت اختیار کر لو! اور اس طرح اسرائیل و بنی اسرائیل یعنی حضرت یعقوبؑ اور ان کے تمام بیٹے اپنے اہل و عیال سمیت

مصر منتقل ہو گئے۔ جہاں بادشاہِ وقت نے اُن کی خوب پذیرائی کی۔ مصر کے زرخیز ترین علاقے میں اُنہیں آباد کیا، اور چونکہ بادشاہ حضرت یوسفؑ کا عقیدت مند تھا لہٰذا انہیں مصر میں گویا پیرزادوں کی سی عزّت وحیثیت حاصل ہو گئی۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایک عرصے کے بعد جب مصر میں ایک قومی انقلاب آیا اور ——— HYKSOS KINGS کا خاتمہ ہو گیا تو بنی اسرائیل پر بھی مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا جس سے ایک مدّت کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرتِ موسیٰؑ کے ذریعے نجات دی۔

سُورۂ یُوسف میں حضرت یُوسفؑ کے ابتلاء کے ساتھ ساتھ حضرت یعقوبؑ کے ابتلاء اور صبر کا ذکر بھی نہایت سبق آموز طریق پر آیا ہے۔ انہیں حضرت یُوسفؑ سے عشق کی حد تک محبّت تھی۔ اور انہیں اللہ کی طرف سے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ بقیدِ حیات ہیں۔ چنانچہ ہجر و فراق کا غم انہیں اندر ہی اندر کھاتا رہا یہاں تک کہ جوشِ گریہ سے ان کی بینائی جاتی رہی تاہم زبان سے ہر موقع پر ایک ہی جملہ ادا ہوا یعنی: " فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ ہ" ——— اور فَصَبْرٌ جَمِيلٌ عَسَى اللهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا ط یعنی ہر حال میں صبر ہی اہلِ ایمان کے لئے صحیح لائحۂ عمل ہے۔ اور جب گھر والوں نے حد سے زیادہ رنج و غم پر اُنہیں ٹوکا تو انہوں نے فرمایا: " إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللهِ " (میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کا شکوہ اپنے اللہ ہی سے کرتا ہوں!) ——— چنانچہ یہی صورت ہمیں سیرتِ نبی اُمّی صلّی اللہ علیہ وسلّم میں نظر آتی ہے کہ جب آپؐ کے صاحبزادے حضرتِ ابراہیمؑ کا انتقال ہوا اور آپؐ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور بعض لوگوں نے اس پر تعجّب کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا: " دل یقیناً غم زدہ ہے اور آنکھیں بھی اشکبار ہیں لیکن ہماری زبان پر اس کے سوا کچھ نہیں آئے گا کہ جس چیز میں اللہ راضی ہے ہم بھی اُسی پر راضی ہیں!" ——— اور جب طائف میں آنحضورؐ پر پتھروں کی بارش ہوئی اور آپؐ کا جسم مبارک لہولہان ہو گیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ

استہزاء اور تمسخر کی حد ہو گئی تو وہاں سے واپسی پر جو دلوں کو دہلا دینے والی دُعا آپؐ نے مانگی، اُس کا آغاز ان الفاظ سے ہوا کہ:- اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْا ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ" (اے اللہ تیری ہی جناب میں شکوہ کرتا ہوں اپنی قوت کی کمی اور وسائل کے فقدان اور لوگوں کے سامنے رسوائی کا!) الغرض سورۂ یوسف میں جہاں حضرت یوسفؑ کی شخصیت کی صورت میں ایک صابر و شاکر اور باہمت و باعفت نوجوان اور ایک اولوالعزم داعیٔ حق اور مبلّغِ توحید اور ایک صالح اور مدبّر و منتظم حکمران کا کردار سامنے آتا ہے وہاں حضرت یعقوبؑ کی شخصیت کی صورت میں ایک حد درجہ رقیق القلب اور صاحب قلب محزون درویش کا کردار بھی سامنے آتا ہے جو اپنے غم و اندوہ کو اندر ہی اندر پیتا ہے اور اگر کوئی شکایت کرتا بھی ہے تو صرف اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں —— غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سیرتِ مبارکہ میں یہ سب اوصاف بیک وقت جمع تھے۔ بالکل صحیح کہا جس نے کہا ہے

حُسنِ یوسفؑ، دمِ عیسیٰؑ، یدِ بیضا داری — آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری!

سورۂ یوسف کے آغاز و اختتام پر بھی قرآن کے ایک کتاب مبین اور مُنزّل من اللہ ہونے کا بیان ہے بلکہ آخری آیت میں تو خود قصۂ یوسف کو جو سورۂ یوسف میں بیان ہوا قرآن کے وحیٔ الٰہی ہونے کی دلیل کی حیثیت سے پیش کیا گیا۔ اس لئے کہ ڈھائی ہزار سال قبل کے حالات و واقعات اس قدر صحت و وضاحت کے ساتھ عرب کا ایک اُمّی (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کیسے بیان کر سکتا تھا: "مَا کَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰی وَلٰکِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ وَتَفْصِیْلَ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُدًی وَّرَحْمَۃً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ہ" —— (یہ کوئی گھڑی ہوئی بات نہیں بلکہ تصدیق ہے اس کی جو پہلے سے موجود ہے اور تفصیل ہے ہر چیز کی، اور ہدایت اور رحمت ہے ایمان لانے والوں کے لئے) "مَا کَانَ حَدِیْثًا

يُفْتَرٰىہُ" کے الفاظ اشارہ کر رہے ہیں کہ اس سُورۂ مبارکہ کا ایک ربط و تعلق ہے سُورۂ یُونس اور سُورۂ ہود دونوں سے، اس لئے کہ ان دونوں سُورتوں میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: "اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ" گویا ان تینوں سُورتوں میں اصل نسبتِ زوجیت تو ہے سُورۂ یُونس اور سُورۂ ہود کے مابین اور سُورۂ یُوسف ان دونوں کے ساتھ بطورِ ضمیمہ منسلک ہے۔ چنانچہ توحید، معاد، رسالت اور رسُولوں کی قوموں پر ان کی دعوت سے اعراض و انکار کی پاداش میں عذابِ الٰہی کے ان مضامین کا ایک خلاصہ بھی اس سُورۂ مبارکہ کے آخر میں درج کر دیا گیا ہے جو نہایت شرح و بسط کے ساتھ سُورۂ یُونس اور سُورۂ ہود میں بیان ہوئے اور اس ضمن میں دو آیتیں نہایت اہم وارد ہوئی ہیں۔ ایک وہ جس میں شرک کی ہمہ گیری کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ اکثر لوگ اللہ کو نہیں مانتے مگر کسی نہ کسی نوع کے شرک کے ساتھ اور دوسری میں آنحضورؐ سے کہلوایا گیا —— "کہہ دو، یہ میری راہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں پوری بصیرت کے ساتھ، میں بھی اور وہ لوگ بھی جنہوں نے میری پیروی کی، اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں!" ——

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥

تقریر نمبر ۱۳

سُورۂ رعد، سُورۂ ابراھیم، سُورۂ حِجر

سُورۂ رعد اور سُورۂ ابراہیم علی الترتیب چھ رکوعوں اور ۴۳ آیات اور سات رکوعوں اور ۵۲ آیات پر مشتمل ہیں اور انداز و اسلوب اور مضمون و موضوع ہر اعتبار

سے مکّی دَور کے اواخر میں نازل ہونے والی سُورتوں کے مشابہ ہیں، جبکہ سُورۂ حجر کے چھ رکوع ۹۹ آیات پر مشتمل ہیں۔ گویا اس میں آیات نسبتاً چھوٹی ہیں، مزید برآں اس کا اسٹائل بھی مکّی دور کے اوائل میں نازل ہونے والی سُورتوں سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے اور اس کے مضامین بھی خصوصاً آغاز و اختتام پر وہی ہیں جو ابتدائی مکّی سُورتوں میں پائے جاتے ہیں۔

سُورۂ رعد

سُورۃ رعد میں قصص الانبیاء یا انباء الرّسل کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے اور پُوری سُورہ جو ایک مسلسل اور مربوط خطبہ نظر آتی ہے توحید، معاد اور رسالت کے اساسی مباحث پر مشتمل ہے۔ اور ان میں سے بھی زیادہ زور ایمان بالآخرت اور ایمان بالرّسالت پر ہے۔ اگرچہ آفاق و انفس کے جن شواہد سے قیامِ قیامت اور بعث بعد الموت پر استدلال کیا گیا ہے۔ ان سے ضمنی طور پر توحید کا اثبات بھی ہوتا چلا جاتا ہے۔

پہلی آیت میں قرآن مجید کی حقانیت کا بیان ہے، چنانچہ فرمایا گیا: "المرٰ۔ یہ کتاب الٰہی کی آیات ہیں۔ اور اے نبیؐ! جو کچھ آپ کے ربّ کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ سرتاسر حق ہے لیکن اکثر لوگ ماننے والے نہیں ہیں"

اس کے بعد تین آیات میں اللہ تعالےٰ کی قدرتِ کاملہ کے شواہد کی جانب توجّہ دلا کر آیت ۵ میں بڑے دلنشین پیرائے میں فرمایا: "اور اگر تعجّب کرنا ہی چاہو تو قابلِ تعجّب ہے ان منکرینِ قیامت کا یہ قول کہ کیا جب ہم مٹی ہو کر مٹی میں مل جائیں گے تو پھر از سرِ نَو زندہ کر دیئے جائیں گے؟ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ربّ کا کفر کیا ہے اور اُن کی گردنوں میں طوق ہیں اور یہ جہنمی ہیں جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے!" حاصل کلام یہ کہ جو شخص اللہ ہی کو نہ مانے یا اُس کی قدرتِ

مطلقہ پر یقین نہ رکھتا ہو اُس کی بات دوسری ہے۔ لیکن جو اللہ کو بھی مانتا ہو اور اس کے عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہونے پر بھی یقین رکھتا ہو پھر بھی بعث بعد الموت کے بارے میں استعجاب یا استبعاد کا اظہار کرے تو اس کی حالت واقعۃً قابلِ تعجب ہے۔ اور جو کوئی یہ کرتا ہے وہ گویا اپنے رب اور اُس کی صفاتِ کاملہ کا انکار کرتا ہے۔

اس کے بعد پھر اللہ کی قدرتِ کاملہ اور علمِ کامل کا بیان ہے اور پھر آیت ۱۱ میں عمرانیاتِ انسانی کا وہ زرّین اور اٹل اُصول بیان ہوا ہے کہ: "اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ"، جس کا سرسری مفہوم تو وہ ہے جو اس مشہور شعر میں بیان ہوا کہ ؂

خُدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی ۔۔۔ نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

لیکن اصل مفہوم یہ ہے کہ انسانوں کے خارج کے احوال ان کے باطن کی کیفیات کے تابع ہیں اور اگر کسی قوم کے لوگ اپنی شخصیتوں کی اندرونی دنیا میں انقلاب برپا کرنے کو تیار نہ ہوں تو ان کے خارجی حالات میں بھی کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی۔ واضح رہے کہ علامہ اقبال مرحوم نے قرآنِ حکیم کی تاثیر کا یہی نقشہ کھینچا ہے کہ یہ انسانوں کے باطن میں سرایت کر جاتا ہے جس سے ان کے اندر کی دُنیا میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے اور یہی باطنی انقلاب ہے جو تمہید بنتا ہے خارجی وظاہری حتّٰی کہ عالمی انقلاب کی ؂

"چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود ۔۔۔ جاں چوں دیگر شُد، جہاں دیگر شود!"

عمرانیاتِ انسانیہ کا ایک دوسرا اہم اُصول آیت ۱۷ میں بیان ہوا ہے کہ جس طرح تم دیکھتے ہو کہ جب بارش ہوتی ہے اور پہاڑی علاقوں میں وادیاں ندّیوں کی صورت اختیار کر لیتی ہیں تو پانی کے اُوپر بہت سا جھاڑ جھنکاڑ اور جھاگ نظر آتا ہے۔ حالانکہ اس کی حقیقت کوئی نہیں ہوتی اصلاً مفید تو وہ پانی ہے جو اُس کے نیچے بہہ رہا ہے، خواہ وہ نظر نہ آ رہا ہو۔ اسی طرح جب سُنار سونے

یا چاندی کو صاف کرنے کے لئے کُٹھالی میں تپاتا ہے تو اس میں بھی بہت سا جھاگ اُٹھتا ہے جس میں سوائے مَیل کے کچھ نہیں ہوتا —— بالکل اسی طرح اس عالمِ انسانی میں بھی حق و باطل کے مابین ایک مسلسل تصادم اور ٹکراؤ جاری رہتا ہے۔ جس سے کبھی کبھی ایسا بھی محسوس ہوتا ہے کہ گویا باطل غالب آگیا اور چہار طرف اس کا ڈنکا بجنے لگا لیکن حقیقت میں یہ بھی بس جھاگ ہی کے مانند ہوتا ہے اس لئے کہ زمین میں قرار وہی چیز پکڑتی ہے جو واقعۃً مفید و نافع ہو اور یہ معاملہ ظاہر ہے کہ صرف حق کا ہوتا ہے لہٰذا بالآخر حق ہی کا بول بالا ہوتا ہے اور باطل نسیاً منسیاً ہو جاتا ہے۔

سُورۂ رعد کا تیسرا رکوع سُورۂ بقرہ کے تیسرے رکوع سے بڑی گہری مشابہت رکھتا ہے اور یہ الفاظ تو جوں کے توں بغیر کسی ایک شوشے کے فرق کے آئے ہیں کہ: " وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ (یعنی وہ لوگ جو توڑتے ہیں اللہ کے عہد کو، اُس کو مضبوطی سے باندھنے کے بعد، اور کاٹتے ہیں اُسے جسے اللہ نے حکم دیا ہے جوڑنے کا اور فساد مچاتے ہیں زمین میں!) غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ میں بھی اِنسانی اجتماعیات کا یہ اہم اُصول بیان ہوا ہے کہ معاملاتِ انسانی کے سارے بگاڑ کی جڑ اور بنیاد دو چیزیں ہیں ایک اللہ کے ساتھ جو عہدِ الست انسان نے کیا تھا اس کو نظر انداز کر کے اپنی من مانی کرنے پر اُتر آنا اور دوسرے رحمی رشتوں کو جوڑنے کے بجائے کاٹنے پر آمادہ ہو جانا! —— پہلی چیز سے اللہ کے ساتھ تعلق ٹوٹ جاتا ہے اور دوسری سے حقوق العباد کا پورا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ سُورۂ بقرہ کے ساتھ اس اہم مشابہت سے یہ بھی رہنمائی ملتی ہے کہ یہ سورت ہجرت سے متصلاً قبل ہی کے زمانے میں نازل ہوئی ہوگی!

سُورت کے آخر میں زیادہ زور نبوّت و رسالت کے موضوع پر ہے۔

چنانچہ آخری آیت میں فرمایا گیا: ”اور یہ کافر کہتے ہیں تم ہرگز رسول نہیں ہو، کہہ دو کہ میرے اور تمہارے مابین اصل گواہ تو اللہ ہی ہے۔ البتہ جن کے پاس کتاب کا کچھ علم ہے (یعنی یہود و نصاریٰ) وہ بھی جانتے ہیں کہ میں رسول ہوں!“

اور اس سے پہلے بظاہر آنحضورؐ کو خطاب فرمایا گیا ہے، اگرچہ رُوئے سخن تمام تر کفار کی جانب ہے گویا اُن سے کہا جا رہا ہو کہ — رہا تمہارا یہ اعتراض کہ یہ تو عام انسانوں کے مانند ہیں اور اُن کے بیوی بھی ہے اور اولاد بھی تو اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ کتاب سے پوچھ لو کہ ہم نے پہلے بھی جتنے رسول بھیجے وہ سب انسان ہی تھے اور اہل و عیال والے تھے۔ رہا تمہارا یہ مطالبہ کہ وہ کوئی حسی معجزہ کیوں نہیں دکھاتے تو یہ معاملہ ان کے اختیار میں ہے ہی نہیں، اس کا سارا دار و مدار ہم پر ہے۔ باقی اگر تمہاری آنکھوں پر پردے نہیں پڑ گئے ہیں تو دیکھ لو کہ ہمارے نبیؐ کی دعوت اطراف و اکنافِ عرب میں پھیل رہی ہے۔ گویا یہ دعوت تمہارے چاروں طرف سے گھیرا تنگ کرتی ہوئی بڑھی چلی آرہی ہے۔ اگر اب بھی آنکھیں نہ کھولو گے تو بہرحال اللہ کا فیصلہ تو اٹل ہے، حق کا تو بول بالا ہو کر ہی رہے گا۔ البتہ تم اپنی محرومی و بدبختی پر اللہ کی جانب سے آخری مہرِ تصدیق ثبت کرا لو گے۔

سُورَۃُ ابراھیم

سُورۃ ابراہیم کا آغاز بھی قرآن مجید ہی کے ذکر سے ہوا، کہ: ”یہ وہ کتاب ہے جو ہم نے اے نبیؐ! آپ پر اس لئے نازل کی کہ آپؐ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی میں لائیں!“ اس کے بعد رسولوں اور ان کی قوموں کا ذکر ہوا، حضرت موسیٰؑ کا قدرے تفصیل سے اور حضرات نوح، ہود اور صالح علیہم السلام کا اجمالاً۔ اور اس میں نقشہ کھینچ دیا گیا کہ ان سب کی دعوت

بھی وہی تھی جو آج نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیش فرما رہے ہیں اور ان کی قوموں نے بھی اُسی طرح کے بے بنیاد اعتراضات کئے تھے جیسے آج قریشِ مکہ خصوصاً اُن کے سردار کر رہے ہیں، اور انہوں نے بھی اسی طرح اپنے رسُولوں کو اپنی بستیوں سے نکال باہر کرنے کی دھمکی دی تھی جس طرح آنحضورؐ اور ان کے جان نثاروں پر مکہ کی سرزمین تنگ کر دی گئی ہے اس سلسلے میں آخری بات جواز خود ظاہر تھی بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی کہ جس طرح اُن پر اللہ کے عذاب آئے اسی طرح تم بھی عذابِ الٰہی کے لئے تیّار رہو —— پھر گویا قریش کے عوام کو خطاب کر کے فرمایا گیا آج تو تم اپنے سرداروں کے کہنے میں آ کر ہمارے نبی کی تکذیب کر رہے ہو اور ان کو ستانے سے بھی باز نہیں آتے لیکن قیامت کے دن نہ تمہارے یہ سردار تمہیں اللہ کے عذاب سے بچا سکیں گے اور نہ وہ شیطانِ لعین تمہارا ساتھ دے گا جو تمہارا اور تمہارے سرداروں اور پیشواؤں سب کا گُرو ہے۔ چنانچہ آیات ۲۱، ۲۲ میں نقشہ کھینچ دیا گیا: "اور پھر سب کے سب پیش کیے جائیں گے اللہ کے سامنے، تو کمزور اور پس ماندہ لوگ کہیں گے اپنے سرداروں اور چوہدریوں سے: ہم تو تمہاری ہی پیروی کرتے رہے تو اب تم لوگ ہم پر اللہ کے عذاب میں سے کچھ کمی بھی کرا سکتے ہو یا نہیں؟ تو وہ کہیں گے کہ اگر اللہ نے ہمیں ہدایت دی ہوتی تو ہم بھی تم کو سیدھی راہ دکھا دیتے، اب ہمارے لئے برابر ہے ہم صبر کریں یا فریاد، بہر حال بچنے کی کوئی صورت ممکن نہیں!" —— "اور جب سارا معاملہ چُک جائے گا تو شیطان کہے گا، اللہ نے بھی تم سے ایک وعدہ کیا تھا جو سراسر حق تھا اور اُس نے اُسے پُورا کر دیا ہے۔ مَیں نے بھی کچھ وعدے تم سے کئے تھے جو پورے نہیں کئے، لیکن مجھے تم پر کوئی زور حاصل نہیں تھا، سوائے اس کے کہ مَیں نے تم کو دعوت دی اور تم نے اسے قبول کر لیا، تو اب تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔ نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو!"

اپنے نام کی مناسبت سے اس سورۂ مبارکہ کا ایک پورا رکوع حضرت ابراہیمؑ کے ذکر پر مشتمل ہے اور انداز اس قدر دلنشیں ہے کہ آنجنابؑ کی ایک دعا میں شرک سے بیزاری اور توحید کا اقرار و اعلان بھی آ گیا۔ خانہ کعبہ کی تعمیر اور اور اس کے جوار میں اپنی نسل کی ایک شاخ کو آباد کرنے کا مقصد بھی بیان ہو گیا۔ بڑھاپے میں حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحٰق علیہما السلام ایسے بیٹے عطا ہونے پر ہدیۂ تشکر و امتنان بھی آ گیا، اور ذریت اسمٰعیل کے لئے دعائے خیر بھی آ گئی اور اپنے اور اپنے والدین اور کل اہلِ ایمان کے لئے دعائے مغفرت بھی آ گئی۔

سورت کے آخر میں کفار و مشرکین، بالخصوص قریش مکہ اور ان کے سرداروں کو متنبہ کر دیا گیا کہ ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ اللہ اپنے رسولوں سے کئے ہوئے وعدوں کی خلاف ورزی کرے گا۔ وہ زبردست بھی ہے اور انتقام لینے والا بھی۔ اور یہ تنبیہ ہے لوگوں کے لئے تاکہ خبردار ہو جائیں اور جان لیں کہ اللہ ہی اکیلا الٰہ ہے، اور ہوش مند لوگ یاددہانی حاصل کر لیں یہ۔ ہمارے سابق انبیاء و رسل کی قوموں نے بھی ضد اور ہٹ سے کام لیا تھا اور بڑی ڈھٹائی اور جسارت کے ساتھ ہم سے فیصلہ صادر کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ چنانچہ ہم نے ان کو ہلاک و برباد کر دیا۔ تو اپنے بارے میں اب تم خود سوچ لو!

سُورۂ حِجر

سورۂ حجر کا آغاز بھی قرآنِ حکیم ہی کے ذکر سے ہوا کہ "یہ کتابِ الٰہی اور قرآنِ مبین کی آیات ہیں!" اور اس کے فوراً بعد بڑے تیکھے انداز میں فرمایا گیا کہ اس وقت تو یہ کفار و معاندین طرح طرح کی باتیں بنا رہے ہیں اور ہمارے نبیؐ پر فقرے کس رہے ہیں حتیٰ کہ انہیں مجنون اور دیوانہ کہنے سے بھی گریز نہیں کر رہے لیکن ایک وقت آئے گا کہ یہ کفِ افسوس مل کر کہیں گے: "کاش ہم

ایمان لے آتے اور اطاعت قبول کر لیتے" —— "تو اے نبیؐ! آپ اُنکی پرواہ نہ کیجئے، اور انہیں ذرا چرچُگ لینے دیجئے، وہ وقت دُور نہیں جب انہیں سب حقیقت معلوم ہو جائے گی!" —— اس کے بعد آنحضورؐ کی دلجوئی کے لئے فرمایا گیا:
"ہم نے آپؐ سے پہلے بھی بہت سی قوموں میں اپنے رسُول بھیجے تو آپ کی طرح اُن سب کا مذاق اڑایا گیا، اور جس طرح اگلوں کے حالات گزرے۔ اسی طرح آپکی قوم کے لوگ بھی ایمان لانے والے نہیں —— (رہا ان کا یہ مطالبہ کہ ہمیں کوئی صریح اور محسوس معجزہ دکھا دو تو ہم مان لیں گے تو آپ یقین رکھیں کہ) اگر ہم ان کیلئے آسمان میں ایک دروازہ کھول دیں اور یہ اس میں چڑھنے لگیں تو بھی یہ یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی اور ہم پر جادُو کر دیا گیا تھا!"

سُورۂ حجر کا تیسرا رکوع بہت اہمیّت کا حامل ہے، اس لئے کہ اس میں قصّۂ آدم و ابلیس ایک نئے انداز میں بیان ہوا۔ اس سے قبل یہ قصّہ سُورۂ بقرہ کے چوتھے اور سُورۂ اعراف کے دوسرے رکوعوں میں بیان ہو چکا ہے۔ اس مقام پر ایک[1] تو حضرت آدمؑ کے مادّۂ تخلیق کے بارے میں: مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ" ایسے بھاری الفاظ جُوں کے تُوں پُورے تین بار آئے جس سے اشارہ ہوا کہ حضرت آدمؑ کا مادّۂ تخلیق ایسا سنا اور سڑا ہوا گارا تھا جو سوکھ کر کھنکھنانے لگا تھا۔ جس کی تائید ہوتی ہے جدید سائنسی انکشاف سے کہ حیات کا آغاز ان دلدلی علاقوں میں ہوا جہاں مٹی اور پانی کے مسلسل تعامل سے خمیر سا اُٹھ آتا ہے اور گارے میں بدبُو پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے[2] یہ حقیقت واضح ہوئی کہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم ملائکہ کو تخلیق آدم سے بہت قبل دے دیا گیا تھا۔ تیسرے[3] یہ کہ آدمؑ کی فضیلت کی اصل بنیاد وُہ رُوحِ ربّانی ہے جو ان کے جسدِ خاکی میں پھُونکی گئی اور جسے اللہ نے واحد متکلم کی ضمیر کے حوالے سے خاص اپنی ذات کی جانب منسوب کیا ہے، بفحوائے الفاظ قرآنی: "فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي

فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ○" (جب میں اس کی تخلیق مکمل کر لوں اور اس کی نوک پلک سنوار دوں اور اس میں پھونک دوں اپنی روح میں سے تو گر پڑنا اس کے سامنے سجدے میں!) ـــــــ ان حقائق و معارفِ علمیہ کے ساتھ ساتھ واضح کر دی گئی وہ حقیقت جو قرآن میں اس قصے کے بتکرار و اعادہ ذکر کے اصل مقصد کی حیثیت رکھتی ہے کہ آدم کی اِسی فضیلت پر شیطان حسد کی آگ میں جل اٹھا اور اُس کے دل میں آدم اور ذریتِ آدم کی عداوت اور دشمنی نے جڑ پکڑ لی۔ چنانچہ اللہ سے مہلت مِل جانے پر اب وہ تا قیامت نسلِ انسانی کی گمراہی کے درپے ہے اور اُسے تباہ و برباد کرنے پر تُلا ہوا ہے۔ اس ضمن میں وہ حقیقت بھی بیان کر دی گئی جو اس سے قبل سورۂ ابراہیمؑ میں میدان حشر کے مکالمے کی صورت میں بیان ہو چکی ہے۔ یعنی یہ کہ شیطان کو اللہ کے بندوں پر کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ وہ گناہ کی دعوت ضرور دیتا ہے لیکن اس کو قبول کرنا یا نہ کرنا سراسر انسان کے اپنے اختیار میں ہے، بفحوائے الفاظِ قرآنی: "اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ○" (میرے بندوں پر تجھے کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا سوائے ان نابکاروں کے جو خود ہی تیری پیروی اختیار کر لیں)
اس کے بعد مکی سورتوں کے عام اسلوب کے مطابق انبیاء و رسل کا ذکر ہے، اور یہاں تفصیل کیساتھ ذکر آیا ہے حضرت لوط علیہ السلام اور اُن کی قوم کا۔ اور اسی کے ذیل میں ضمناً ذکر آیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کہ وہی فرشتے جو حضرت لوطؑ کی قوم پر عذاب کا فرمان لے کر نازل ہوئے تھے حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحٰقؑ کی ولادت کی خوشخبری بھی دیتے گئے۔ حضرت لوطؑ کی قوم کے انجام کے ذکر کے بعد اجمالاً اشارہ کیا گیا قومِ شعیب اور قومِ صالح علیہم السلام کے انجام کی طرف ـــــــ اس صراحت کے ساتھ کہ ان تینوں اقوام کی تباہ شدہ بستیاں اور اُن کے مساکن کے کھنڈرات "سبیلِ مقیم" یعنی اس تجارتی شاہراہ پر واقع ہیں جس پر اہلِ عرب کے تجارتی قافلے دن رات چلتے رہتے تھے۔ یعنی شمال سے جنوب کی جانب

پہلے قومِ لوطؑ کی تباہ شدہ بستیاں، پھر قومِ شعیبؑ کے تباہ شدہ مسکن اور قومِ ثمود کے کھنڈرات۔

مکّی دَور کے اوائل میں نازل ہونے والی اکثر سُورتوں کی طرح سُورۂ حجر کے آخر میں بھی آنحضورؐ کے ساتھ مفصّل خطاب بھی ہے اور آپؐ کی جانب خصوصی عنایت اور التفات بھی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ: "اے نبیؐ! ہم نے یہ آسمان اور زمین حق کے ساتھ بنائے ہیں، اور قیامت بہرحال آکر رہے گی جب ہر ایک کو اپنے کئے کا پورا بدلہ مل جائے گا۔ تو آپؐ ذرا ان کافروں سے درگذر فرمائیں اور اُن کے تمسخر و استہزاء کو نظرانداز کر دیں۔ آپؐ کا رب جہاں سب کا خالق ہے وہاں سب کے حال سے باخبر بھی ہے! اور ہم نے آپؐ کو سات بار بار دہرائی جانے والی آیات یعنی سُورۂ فاتحہ ایسی نعمتِ عظیم اور قرآن عظیم ایسی دولتِ بے بہا عطا فرمائی ہے تو آپؐ ان لوگوں کی جانب نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں جنہیں ہم نے اس دُنیا کی حقیر سی پونجی وافر مقدار میں عطا کر دی ہے اور نہ ہی اُن کے بارے میں رنج و اندوہ آپؐ کے قلب پر طاری ہونے پائے۔ آپ کی عنایت و شفقت شاملِ حال رہنی چاہیئے اہلِ ایمان کے! اور صاف کہہ دیجئے کہ مَیں تو کُھلا خبردار کر دینے والا ہوں جیسا کہ ہم نے وعید نازل کی ہے۔ اُن کے لئے جو قرآن کا استہزاء کرتے ہیں، تو تیرے ربّ کی قسم، ہم ان سب سے پوچھ لیں گے کہ وہ کیا کرتے رہے تھے! —— اور آپؐ ڈنکے کی چوٹ اعلان کر دیجئے جس کا حکم آپؐ کو ہوا، اور مشرکوں کی پرواہ مت کیجئے، اُن کے تمسخر و استہزاء سے ہم نبٹ لیں گے۔ وہ لوگ جو اللہ کے سوائے کوئی اور معبود بھی ٹھہرا رہے ہیں انہیں عنقریب حقیقت معلوم ہو جائے گی، اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ ان لوگوں کی باتوں سے آپؐ کو صدمہ ہوتا ہے —— پس آپؐ اپنے ربّ کی تسبیح و تحمید میں لگے رہیئے اور اس کے سامنے سربسجود ہونے والوں میں شامل رہیئے —— اور تا دمِ آخر اس کی پرستش پر کاربند رہیئے!" وَاٰخِرُ دَعْوَانَا

اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ! ۔

قرآنِ حکیم میں سورۂ یونس سے مکی سورتوں کا جو عظیم سلسلہ شروع ہوتا ہے اس میں پہلے تین سورتیں قدرے طویل ہیں یعنی سورۂ یونس، سورۂ ہود اور سورۂ یوسف جو علی الترتیب ۱۱، ۱۰ اور ۱۲ رکوعوں پر مشتمل ہیں۔ پھر تین سورتیں قدرے چھوٹی آتی ہیں یعنی سورۂ رعد، سورۂ ابراہیم، اور سورۂ حجر جو علی الترتیب ۶، ۷، ۶ رکوعوں پر مشتمل ہیں اور پھر ایک گروپ تین طویل سورتوں کا ہے یعنی سورۂ نحل، سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف جو علی الترتیب ۱۶ رکوعوں اور ۱۲۸ آیات اور ۱۲ رکوعوں اور ۱۱۱ آیات اور ۱۲ رکوعوں اور ۱۱۰ آیات پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف حکمتِ قرآنی کے عظیم زریں خزانے کی حیثیت رکھتی ہیں، اور ان میں مضامین کی بڑی گہری مناسبت اور مشابہت پائی جاتی ہے جب کہ سورۂ نحل منفرد مزاج کی حامل ہے اگرچہ سورۂ بنی اسرائیل کے ساتھ اس کے مضامین کا بہت گہرا ربط موجود ہے۔ گویا تین مکی سورتوں کے اس چھوٹے گروپ میں قرآنی سورتوں کے مابین نسبتِ زوجیت کا مظہرِ اتم تو ہیں سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف البتہ سورۂ نحل بھی ان دونوں کے ساتھ غایت درجہ مربوط و متعلق ہے! ۔ اس ابتدائی تعارف کے بعد آیئے کہ سورۂ نحل کے مضامین پر قدرے تفصیلی نگاہ ڈالیں :۔

تقریر نمبر ۱۴

سُورۂ نحل

سابقہ سورتوں کے برعکس سورۂ نحل کے آغاز میں نہ حروفِ مقطعات ہیں نہ قرآن مجید کی عظمت کا کوئی تمہیدی بیان بلکہ بات براہِ راست تنبیہ سے شروع ہو

گئی کہ: "اللہ کا فیصلہ سر پر آیا کھڑا ہے تو اس کے لئے جلدی نہ مچاؤ، وہ پاک اور بلند و برتر ہے اس شرک سے جو وہ کر رہے ہیں!" بعینہٖ یہی رنگ اس سُورۂ مبارکہ کے اختتام پر بھی ہے صرف اس فرق کے ساتھ کہ آغاز میں کفّار و مشرکین کے لیے انذار کا رنگ ہے اور اختتام پر آنحضورؐ اور اہلِ ایمان کے لئے تبشیر کا۔ یعنی "پس صبر کرو اور ظاہر ہے کہ تمہارا صبر اللہ ہی کے بھروسے پر قائم ہے، اور تمہیں نہ تو ان کفّار و مشرکین کے انجام پر غمگین ہونے کی ضرورت ہے نہ ان کی مخالفانہ چالوں اور تدبیروں سے پریشان ہونے کی، اس لئے کہ اللہ ساتھ ہے یعنی اس کی تائید و نصرت شاملِ حال ہے ان کے جنہوں نے تقویٰ اور احسان کی روش اختیار کی!"

قرآن حکیم میں "تذکیر بآلاءِ اللہ" یعنی اللہ کی نعمتوں کے حوالے سے اس پر ایمان لانے، اُس کی توحید پر کاربند رہنے اور اس کی جزا و سزا پر یقین رکھنے اور اس کے احکام پر کاربند رہنے کی دعوت کی سب سے زیادہ شاندار مثال غالباً سُورۂ نحل ہی ہے۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ اس سُورۂ مبارکہ کے مضامین کا تانا بانا اللہ تعالےٰ کی ارضی و سماوی، آفاقی و انفسی، ظاہری و باطنی اور محسوس و معقول نعمتوں کے ذکر سے تیار ہوا ہے اور ان ہی میں جا بجا سجا دیئے گئے ہیں توحید، معاد اور رسالت کے اساسی مضامین اور ان دونوں کے باہمی ربط و تعلق کے جانب اشارہ کیا گیا ہے ایسے الفاظ سے کہ:۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (آیت ۱۱) :۔ (بے شک اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر سے کام لیں) اور اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ (آیت ۱۲) :۔ (یقیناً اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیئے جو عقل سے کام لیں) : اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ۝ (آیت ۱۳) :۔ (بے شک اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو یاد دہانی حاصل کریں) اور: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ۝ (آیت ۶۵):

(یقیناً اس میں نشانی ہے اُن کے لیے جو سُنتے ہیں) اور : اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ہ (آیت ۷۹) :- (بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ماننے پر آمادہ ہوں!) ـــــــ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا ذکر جس جامعیت کے ساتھ اس سُورۂ مبارکہ میں ملتا ہے اس کی شاید ہی کوئی دوسری نظیر قرآن مجید میں موجود ہو۔ اس مضمون کا آغاز آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے ذکر سے ہوا کہ اللہ نے اس کائنات کو حق کیساتھ تخلیق فرمایا۔ پھر ذکر ہوا انسان کی تخلیق کا کہ اسے پیدا کیا اُس نے نطفے سے تو کیسی عجیب بات ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک ہی کے بارے میں جھگڑتا ہے۔ پھر ذکر آیا چوپایوں کی تخلیق کا کہ پیدا کئے اُس نے لاتعداد چوپائے جن سے تم غذا بھی حاصل کرتے ہو، ان کو اپنی سواری کے طور پر بھی استعمال کرتے ہو اور باربرداری کے کام میں بھی لاتے ہو۔ پھر ان میں تمہارے لئے حسن و جمال اور زیبائش و آرائش کا سامان بھی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُن کے گوبر اور خون کے درمیان سے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے دودھ ایسا پاکیزہ اور اعلیٰ مشروب فراہم کرتا ہے، اور تم ان کی کھالوں سے خیمے تیار کرتے ہو اور ان کے بالوں اور اُون کو بے شمار دوسرے مصارف میں لاتے ہو۔ پھر ذرا بارش پر غور کرو، اللہ پانی برساتا ہے اسے تم اپنی پیاس بجھانے کے کام میں بھی لاتے ہو اور کاشت کا ذریعہ بھی بناتے ہو۔ چنانچہ اللہ اس کے ذریعے تمہارے لئے غلہ اور زیتون، کھجور اور انگور، اور بے شمار دوسرے پھل اُگاتا ہے جن سے تم رزقِ حَسَن بھی حاصل کرتے ہو اور سُکر و سرور پیدا کرنے والی چیزیں بھی۔ پھر ذرا یہ تو دیکھو کہ اس زمینی پیداوار میں کتنی رنگارنگی و بوقلمونی موجود ہے۔ کیسے کیسے حسین و جمیل اور رنگارنگ پھول اس نے کھلا دیئے ہیں اور کتنی انواع و اقسام کے پھل اس نے تمہارے لئے پیدا کئے ہیں ـــــ پھر ذرا غور کرو کہ رات اور دن کا نظام کس طرح

تمہاری ضروریات کی فراہمی میں لگا ہوا ہے اور شمس و قمر اور تمام اجرام فلکی کیسے تمہاری چاکری میں مصروف ہیں —— پھر ذرا سمندر پر بھی نظر ڈالو کہ کیسے تمہاری خدمت سرانجام دے رہا ہے اس میں سے تم تازہ اور عمدہ گوشت بطورِ غذا حاصل کرتے ہو، اس کے سینے کو اپنے سفینوں سے چیرتے ہو، اور اسی کی گہرائیوں میں سے رنگا رنگ موتی اور دوسرا سامانِ آرائش نکالتے ہو —— "وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا!" واقعہ یہ ہے کہ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو کبھی اُن کا شمار پورا نہ کر سکو! اور ذرا پہاڑوں کو دیکھو کہ زمین کے لئے کیسے لنگروں کا کام دے رہے ہیں اور زمین کو دیکھو کہ اسے کس طرح دریاؤں اور قدرتی شاہراہوں سے مزیّن کر دیا گیا ہے، اور تو اور ذرا ہماری ننھی سی مخلوق شہد کی مکھّی کو دیکھو کہ کس طرح انواع و اقسام کے پھلوں اور پھولوں سے رس چُوس کر تمہارے لئے وہ رنگا رنگ مشروب تیاّر کرتی ہے جس میں تمہارے لئے غذائیّت بھی ہے اور بے شمار امراض کی دوا و شفا بھی -: اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ہ تو کیا اے نبیؐ! یہ اللہ کی نعمتوں کا انکار کر دیں گے ؟ اب ذرا نگاہ کو خود اپنے نفوس پر مرتکز کرو، اللہ نے تمہیں ماؤں کے پیٹوں سے برآمد کیا اس حال میں کہ تمہیں نہ کوئی علم تھا نہ شعور، اس نے تمہیں سماعت، بصارت اور دل و دماغ ایسی نعمتیں عطا فرمائیں، پھر تمہیں طرح طرح سے رزق عطا فرمایا اور انواع و اقسام کا ساز و سامان عطا کیا مزید براں تمہیں اپنی ہی جنس سے جوڑا عطا کیا اور اُس سے اولاد عطا فرمائی : "اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ہ" (تو کیا پھر بھی یہ باطل کے اقرار اور اللہ کی نعمتوں کے انکار کی روش پر قائم رہیں گے ؟) پھر ذرا پرندوں کو دیکھو کہ کیسے فضا میں تیرتے پھرتے ہیں، پھر اپنے گھروں کا دھیان کرو، انہیں اللہ نے تمہارے لئے کس طرح امن اور سکون کا گہوارہ بنا دیا ہے، مزید برآں درختوں کے سائے اور پہاڑوں کے غاروں پر غور کرو کہ کیسے سُورج کی تمازت اور دوسرے

موسمی اثرات سے تمہیں بچاتے ہیں، پھر اپنے لباس پر غور کرو جو تمہارے لئے ذریعۂ حفاظت بھی ہے اور موجبِ زینت بھی، پھر ذرا زرہوں اور خودوں کو دیکھو کہ وہ تمہیں حملہ آوروں سے کیسے محفوظ رکھتے ہیں : كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝ (اسی طرح اللہ اپنی نعمتوں کا اتمام فرماتا ہے تم پر تاکہ تم اس کی اطاعت قبول کرلو!) " فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝" (تو اے نبیؐ! اگر یہ پھر بھی اعراض کریں تو آپ کے ذمّے تو بس صاف صاف پہنچا دینا ہے!) اِن بدبختوں کا حال یہ ہے کہ:- يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (یہ اللہ کی نعمتوں کو پہچاننے کے بعد اُن کا انکار کرتے ہیں اور اُن کی اکثریت ناشکروں پر مشتمل ہے)"

الغرض اس سُورۂ مبارکہ کے مضامین کا مرکز و محور اللہ تعالٰے کی گوناگوں نعمتوں کا ذکر اور ان کے حوالے سے اللہ کی توحید اور اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ پر ایمان محکم اور بعث بَعْدَ الْموت اور جزا و سزا اور وحیٔ نبوّت اور رسالت پر پختہ یقین کی دعوت ہے۔ چنانچہ اُس کے آخر میں حضرت ابراہیمؑ کے ذکر میں بھی :- " شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ " کے الفاظ خصوصیّت سے وارد ہوئے یعنی یہ کہ : " وہ اللہ کی نعمتوں پر بھرپور شکر ادا کرنے والے تھے!" —— اس ضمن میں یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہنی چاہیئے کہ : " حکمتِ قرآنی " کے قصرِ عظیم کی بنیاد اسی جذبۂ شکرِ الٰہی پر قائم ہے بفحوائے الفاظِ قرآنی : " وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ" (اور ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی کہ کر شکر اللہ کا!) چنانچہ سُورۂ نحل میں حکمتِ قرآنی کی اس اساس کو محکم طور پر قائم کر دیا گیا اور بعد کی دو سُورتوں یعنی سورہ بنی اسرائیل اور سُورۂ کہف میں اس حکمت کے مضمرات و متضمنات کو کھول دیا گیا اور اس کے ثمرات و نتائج کو بیان کر دیا گیا چنانچہ سُورۂ نحل کے آخر میں وارد ہوئے یہ الفاظِ مبارکہ کہ " اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ

جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ط" (بلاؤ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت سے، اور عمدہ نصیحت سے اور مجادلہ و مباحثہ کرو اس طور سے جو بہت عمدہ و اعلیٰ ہو) اور سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا کہ" ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ" (یہ باتیں ہیں منجملہ اس حکمت کے جو تیرے رب نے تجھ پر نازل فرمائی) اس سے سورۂ نحل اور سورۂ بنی اسرائیل کے مضامین کے باہمی ربط کا ایک اہم پہلو بھی واضح ہو گیا! واضح رہے کہ ان الفاظِ مبارکہ میں خصوصی اشارہ ہے سورۂ بنی اسرائیل کے تیسرے اور چوتھے رکوع میں وارد شدہ اوامر و نواہی کی جانب جو ایک صحت مند اور صالح معاشرے کی تعمیر کے لئے لازمی و لابدی ہیں، اور اُن کی حیثیت اصل میں شرح و تفسیر کی ہے سورۂ نحل کی آیت نمبر ۹۰ کی جس میں فرمایا گیا" اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝" (اللہ حکم دیتا ہے تمہیں انصاف کا اور احسان کا اور قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی کا اور منع فرماتا ہے تمہیں بے حیائی اور بدی اور ظلم و تعدّی سے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔!)

سورۂ نحل اور سورۂ بنی اسرائیل کے مابین ایک اور مشترک موضوع ہجرت کا ہے۔ ہجرت کا سلسلہ اگرچہ ویسے تو ۶ھ نبوی ہی میں ہجرتِ حبشہ سے شروع ہو گیا تھا، لیکن سورۂ نحل اور سورۂ بنی اسرائیل میں جس ہجرت کا ذکر ہے وہ یقیناً ہجرتِ مدینہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ نحل اس زمانے میں نازل ہوئی ہے جب آنحضورؐ کی اجازت سے مسلمانوں نے مدینہ کی طرف ہجرت شروع کر دی تھی۔ چنانچہ پہلے آیت نمبر ۴۱ میں فرمایا: "جن لوگوں نے ہجرت کی اللہ کی راہ میں اس کے بعد کہ ان پر ظلم ڈھائے گئے، ہم انہیں لازماً اس دنیا میں بھی اچھا ٹھکانا عطا فرمائیں گے اور آخرت کا اجر تو اعظم و اکبر ہے ہی، کاش کہ انہیں معلوم ہوتا!" اور پھر آیت نمبر ۱۱۰ میں فرمایا: "پھر تیرے رب کی رحمت شاملِ حال

ہے اُن کے جنہوں نے آزمائش کی بھٹیوں میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کی اور جہاد کیا اور صبر کی روش اختیار کی - یقیناً تیرا رب حد درجہ غفور بھی ہے اور نہایت رحیم بھی !"

سُورۂ بنی اسرائیل اور سُورۂ کہف کی طرح سُورۂ نحل میں بھی وحیٔ الٰہی اور اُس کے آخری اور جامع و کامل ایڈیشن قرآن حکیم کا ذکر بتکرار داعادہ آیا ہے، چنانچہ آیت ۲ میں فرمایا: " اللہ نازل کرتا ہے فرشتوں کو وحی کے ساتھ اپنے امر سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے کہ لوگوں کو خبردار کردو اور منادی کردو کہ میرے سوائے کوئی معبود نہیں، پس صرف مجھ ہی سے ڈرو!" پھر آیات ۲۴، ۲۵ اور ۳۰ میں واضح فرمایا کہ اس تنزیل پر کفار اور اہلِ ایمان کا ردِّ عمل کس قدر مختلف بلکہ متضاد ہے، چنانچہ آیت ۲۴ میں فرمایا: "جب ان سے دریافت کیا جاتا ہے کہ تمہارے ربّ نے کیا نازل فرمایا تو وہ کہتے ہیں 'وہی داستان ہائے پارینہ'!" اس پر آیت ۲۵ میں تبصرہ فرمایا گیا کہ: " یہ لوگ قیامت کے دن اپنے بوجھ تو پورے اٹھائیں گے ہی اس کے علاوہ انہیں اُن کے بوجھ بھی اٹھانے پڑیں گے، جنہیں یہ لاعلمی ونادانی میں گمراہ کر رہے ہیں، کتنا بُرا ہوگا وہ بوجھ جو یہ اٹھائیں گے!" اس کے بالمقابل آیت ۳۰ میں فرمایا: " اور جب اہل اصلاح و تقویٰ سے سوال کیا جاتا ہے کہ تمہارے ربّ نے کیا نازل فرمایا تو کہتے ہیں 'سرتاسر خیر' ان خوب کاروں کے لئے اس دنیا میں بھی خیر اور بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو ان کے لئے ہے ہی سرتاسر خیر و خوبی، فی الواقع بہت ہی اچھا ہوگا متقیوں کا ٹھکانا!" سُورت کے اواخر میں ایک بار پھر قرآن مجید کی عظمت بھی بیان ہوئی اور اسکے اعجاز کی جانب بھی اشارہ ہوا اور اس کی تلاوت کے آداب بھی تعلیم فرمائے گئے - چنانچہ آیت ۸۹ میں فرمایا: " اور اے نبیؐ! ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہر چیز کی وضاحت کے لئے اور اطاعت شعاروں کے

حق میں ہدایت اور رحمت اور بشارت بنا کر!" اور آیت ۱۰۲ میں فرمایا: "کہہ دو اے نبیؐ! کہ اتارا ہے اُسے رُوح القدس نے تیرے ربّ کی جانب سے حق کے ساتھ تاکہ ثبات عطا کرے اہل ایمان کو اور ہدایت اور بشارت بنے طاعت گذاروں کے حق میں!" ساتھ ہی اگلی آیت میں واضح کر دیا کہ: "ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ قرآن انہیں یعنی محمدؐ کو کوئی انسان سکھا رہا ہے۔ حالانکہ جس شخص کی جانب وہ اسے منسوب کر رہے ہیں وہ عجمی ہے اور یہ قرآن صاف اور ستھری عربی زبان میں ہے!" آدابِ تلاوتِ قرآن کے ذیل میں آیت ۹۸ میں فرمایا: "جب قرآن کی تلاوت کرنے لگو تو پہلے شیطان مردود کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کر لیا کرو!" اس کے ساتھ ہی آیت ۱۲۵ کو بھی شامل کر لینا چاہیئے جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے یعنی یہ کہ: "بلاؤ اپنے ربّ کے راستے کی طرف حکمت[1] سے اور موعظۂ حسنہ[2] سے اور بحث و نزاع[3] کی ضرورت پڑ ہی جائے تو وہ اس طور سے کرو جو اعلیٰ و احسن ہے!" اس لئے کہ اس آیۂ مبارکہ میں دعوت کے ضمن میں جن تین چیزوں کی جانب رہنمائی کی گئی۔ ان میں سے بمصداقِ الفاظِ قرآنی: "ذَالِكَ مِمَّآ اَوْحٰىٓ اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ط" حکمت بھی قرآن ہی کا ایک جزو ہے، اور بمصداقِ الفاظِ ربانی: "لَقَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ!" موعظۂ حسنہ بھی قرآن ہی کا ایک حصّہ ہے اور مباحثے اور مجادلے کی احسن صورتیں بھی وہی ہیں جو قرآن مجید میں وارد ہوئیں۔ اس طرح یہ آیت گویا شرح ہے سُورۂ قٓ کی آخری آیت کی کہ:۔ "فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ!" (یاد دہانی کراؤ قرآن کے ذریعے اسے جسے ہماری دھمکیوں اور وعیدوں کا ذرا بھی خوف ہے!)

● "شہادت علی النّاس" کا جو مضمون پوری وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے مدنی سُورتوں میں وہ ہجرت سے متصلاً قبل نازل ہونے والی دو سُورتوں یعنی سُورۂ حج اور سُورۂ نحل میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ سُورۂ حج میں تو اسکا وہ ذروۂ

پہلو واضح کیا گیا جسے سورۂ بقرہ میں اُمتِ مسلمہ کی غرضِ تاسیس قرار دیا گیا ہے اور سورۂ نحل میں اس کا وہ آخری پہلو دو آیات میں بیان کیا گیا جو سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ میں مذکور ہے یعنی: "جس دن کہ ہم کھڑا کریں گے ہر اُمت میں سے ایک گواہ، پھر ان کافروں کو نہ اس کی اجازت ملے گی کہ خواہ مخواہ کے جھوٹے بہانے بنائیں اور نہ ہی اُن کے غیظ و غضب کی پرواہ کی جائے گی" (آیت ۸۴) اور "اور جس دن کہ ہم کھڑا کریں گے ہر اُمت میں ایک گواہ جو ان ہی میں سے ہوگا اور اُن ہی کے خلاف گواہی دے گا۔ اور کھڑا کریں گے، اے نبیؐ! آپ کو ان لوگوں کے خلاف گواہی بنا کر!" آیت ۸۹ یاد ہوگا کہ اسی کا ہم مضمون ہے سورۂ نساء کی وہ آیت جسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے سن کر آنحضورؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تھے!

و حکمتِ دین کے ضمن میں عہدِ الست کی یاددہانی بھی اس سورۂ مبارکہ میں تاکیداً کرائی گئی ہے۔ چنانچہ آیت ۹۱ میں فرمایا: "اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم اللہ سے معاہدہ کر چکے ہو" اور آیت ۹۲ میں ایک حد درجہ بلیغ تشبیہ کے ذریعے اس عہد کو توڑنے پر ملامت کی گئی کہ "وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا" (اس عورت کی مانند نہ بن جاؤ جس نے بڑی محنت و مشقت سے کاتا ہوا سوت خود ہی توڑ پھوڑ کر رکھ دیا) ——— اور آیت ۹۵ میں ایک دوسرے انداز میں توجہ دلائی کہ: "اللہ کے عہد کے عوض حقیر سی قیمت قبول نہ کر لو، جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لئے کہیں بہتر ہے، اگر تم سمجھو!"

و سورت کے آخر میں بنی اسرائیل کے ضمن میں دو حقائق کی جانب مجمل اشارے کئے گئے: ایک کھانے پینے کی چیزوں کی حلت و حرمت کے ضمن میں کہ ان پر بعض سخت پابندیاں تادیباً و تعزیراً عائد کی گئی تھیں اور دوسرے یومِ سبت کے بارے میں کہ یہ بھی ان پر یومِ جمعہ کی ناقدری کی پاداش میں مقرر کیا گیا تھا۔ یہ گویا تمہید ہے اس تفصیلی ذکر کی

جو یہود کی تاریخ کے ضمن میں سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے ہی رکوع میں آرہا ہے
—— پھر اسی سلسلے میں غالباً یہود ہی کی توجہ کے لئے واضح کر دیا گیا کہ اب
بھی توبہ کے ذریعے اللہ کی رحمت کے دروازے کو کھٹکھٹایا جا سکتا ہے —— فرمایا:
"پھر تیرے رب کی رحمت دستگیری فرماتی ہے، اُن کی جو نادانی سے جذبات کی رَو
میں بہہ کر بُرائی کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔ لیکن پھر توبہ کرتے ہیں اور اپنی اصلاح
کر لیتے ہیں —— تو اس کے بعد تیرا رب یقیناً حد درجہ بخشنے والا بھی ہے اور
نہایت رحم والا بھی!"

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ ۝

تقریر نمبر ۱۵

سُورۂ بنی اسرائیل و کہف

نبی اکرمؐ نے قرآن مجید کی بعض سُورتوں کو آپس میں بہنیں قرار دیا ہے
جیسے مثلاً آپ نے فرمایا کہ: "شَیَّبَتْنِیْ ھُوْدُ وَ اَخَوَاتُھَا۔" (مجھے سُورۂ
ہود اور اُس کی بہنوں نے بوڑھا کر دیا ہے!) اس تشبیہ کو ذرا اور آگے بڑھایا
جائے تو واقعہ یہ ہے کہ سُورۂ بنی اسرائیل اور سُورۂ کہف آپس میں بالکل جڑواں
بہنوں کے مانند ہیں۔ اس لئے کہ مصحف کے عین وسط میں واقع حکمتِ قرآنی
کے ان دو عظیم خزینوں کے مابین حد درجہ مشابہت و مماثلت پائی جاتی ہے۔
مثلاً قد و قامت ہی کو لیجئے، تو دونوں ٹھیک بارہ بارہ رکوعوں پر مشتمل ہیں
اور تعداد آیات میں بھی صرف ایک کا فرق ہے یعنی سُورۂ بنی اسرائیل ۱۱۱ آیات
پر مشتمل ہے اور سُورۂ کہف ۱۱۰ پر، پھر ایک کا آغاز تسبیحِ خداوندی سے ہوتا ہے

اور دوسری کا حمدِ باری تعالےٰ سے اور ان دونوں کے مابین نسبت کو آنحضورؐ نے اپنے اس فرمان میں واضح فرمادیا کہ: "اَلتَّسْبِیْحُ نِصْفُ الْمِیْزَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَمْلَئُہٗ" (یعنی سُبحان اللہ سے میزان نصف ہوجاتی ہے اور الحمد سے پُر ہو جاتی ہے!) پھر دونوں کی پہلی آیتوں میں آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ذکر ہے اور دونوں میں آپؐ کی نسبتِ عبدیّت ہی کو نمایاں کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں اللہ تعالےٰ کی جانب سے آنحضورؐ پر خصوصی شفقت وعنایت کا اظہار ہوتا ہے وہاں نسبتِ رسالت کے بجائے اسی نسبتِ عبدیّت کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ اسلئے بھی کہ اس سے شرک کا سدِ باب ہوتا ہے اور اسلئے بھی کہ نسبتِ عبدیّت عروجی ہے اور اس کا رُخ اللہ کی جانب ہے اور نسبتِ رسالت نزولی ہے اور اس کا رُخ انسانوں کی جانب ہے۔ گویا نسبتِ عبدیّت سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کی جامع ہے جب کہ نسبتِ رسالت عبارت ہے سیر عن اللہ الی اللہ سے۔ چنانچہ آنحضورؐ کا اصل سرمایۂ افتخار یہی عبدیّتِ کاملہ کا مقام ہے، اگرچہ ہم آنحضورؐ کی عبدیّت کو اپنی عبدیّت پر قیاس نہیں کر سکتے۔ بقول علامہ اقبال ؎

"عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر ما سراپا انتظار، اُو منتظر!"

اسی طرح ان دونوں سُورتوں کی آخری آیتوں پر نگاہ ڈالئے تو نظر آئے گا کہ دونوں شرک کی نفی اور توحید کے اثبات کے ضمن میں حد درجہ عظمت کی حامل ہیں، چنانچہ سُورۂ بنی اسرائیل کا اختتام ہوا اس آیت پر کہ: "وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْہُ تَکْبِیْرًا" (کہہ دو ساری تعریف اُس اللہ کے لئے جس نے نہ کسی کو اپنا بیٹا بنایا، نہ ہی بادشاہی اور اختیار میں کوئی اُس کا ساجھی ہے، نہ ہی اُس کا کوئی دوست اس کے کسی ضعف یا احتیاج کے سبب سے ہے، اور اُس کی بڑائی کرو جیسا کہ اُس کی بڑائی کا حق ہے!) اور سُورۂ کہف کا اختتام ہوا ان الفاظ پر کہ:-

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ يُوۡحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ‌ۚ فَمَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ○ (کہہ دو کہ میں بھی تمہارے جیسا بشر ہوں، مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود تو بس ایک ہی معبودِ برحق ہے، توجو کوئی اس سے ملاقات کا امیدوار ہو اُسے چاہیئے کہ عمل کرے نیک اور شریک نہ کرے اُس کی عبادت میں کسی کو!) دونوں آیات کا آغاز فعلِ امر "قُلْ" سے ہوا ہے اور دونوں میں شرک کی نفی اور توحید کا اثبات ہے اِس فرق کے ساتھ کہ ایک میں اللہ کو اولاد یا ضعف و احتیاج سے متّصف کر کے اس کے مقامِ رفیع سے گرا کر مخلوق کی صف میں لا کھڑا کرنے کی مذمّت کی گئی ہے تو دوسری میں مخلوق میں سے کسی کو اُٹھا کر اللہ کے برابر لے جا بٹھلانے کا سدِّ باب کیا گیا ہے اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک کی جملہ انواع و اقسام میں ان دونوں میں سے کوئی ایک صورت ضرور پائی جاتی ہے۔ عجیب بات ہے کہ یہی عُروجی و نزولی کیفیات ہیں جو ان سُورتوں کی پہلی آیات میں آنحضورؐ کے ضمن میں بیان ہوئیں یعنی سُورۂ بنی اسرائیل کا آغاز ہوا معراج کے ذکر سے جس میں آنحضورؐ کو بلندیوں پر لے جایا گیا بفحوائے الفاظِ حدیث "ثُمَّ عُرِجَ بِي" اور سُورۂ کہف کا آغاز ہوا کلامِ الٰہی کے آنحضورؐ پر نزول کے ذکر سے! یعنی: "اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰى عَبۡدِهِ الۡـكِتٰبَ وَلَمۡ يَجۡعَلْ لَّهٗ عِوَجًا" (یعنی کُل شکر اور تمام تعریف کا مستحق ہے اللہ جس نے نازل فرمائی اپنے بندے پر کتابِ ہدایت اور نہ رکھی اُس میں ہرگز کوئی کجی!) —— اب ایک نگاہ سُورۂ بنی اسرائیل کی آخری اور سُورۂ کہف کی پہلی آیت پر دوبارہ ڈال لیجئے، بنی اسرائیل کی آخری آیت کا آغاز ہوا: "قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ" کے الفاظ سے اور سُورۂ کہف کا آغاز ہوا "اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ" سے۔ گویا ایک میں

امر ہے اور دوسری میں امتثالِ امر، اور اس طرح ان دونوں سورتوں نے فی الواقع
جڑواں بہنوں کی صورت اختیار کر لی ۔

اوّل و آخر کی ان مشابہتوں کے علاوہ حسبِ ذیل مزید اُمور بھی ان دونوں
سورتوں میں مشترک ہیں ۔ اوّلاً : دونوں کے تقریباً وسط میں قصۂ آدم و ابلیس کا
کا اجمالی ذکر موجود ہے ۔ ثانیاً :۔ دونوں 'اولوالعزم من الرّسل' یا ان کی قوموں
پر عذابِ الٰہی کے ذکر سے خالی ہیں، اگرچہ بستیوں کی تباہی و بربادی کا مجمل ذکر دونوں
میں موجود ہے ! ثالثاً :۔ دونوں میں قرآن مجید کے بارے میں فرمایا گیا کہ ہم نے اس
میں انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ہر ممکن اسلوب اختیار کر لیا ہے ۔ چنانچہ
سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا : " وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ
مِنْ كُلِّ مَثَلٍ " اور سورۂ کہف میں فرمایا : " وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا
الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ " رابعاً :۔ دونوں میں واضح کر دیا گیا کہ
انسان اپنی شامتِ اعمال سے اپنے اوپر ہدایت کے راستے بند کرا لیتے ہیں اور
اور اللہ تعالےٰ کے قانونِ ہدایت و ضلالت کی زد میں آکر اُس کا حال یہ ہو جاتا ہے
کہ " اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا "
(یعنی ہم نے ڈال دیئے ہیں ان کے دلوں پر پردے کہ سمجھ نہ پائیں اسے اور پیدا کر
دی ہے اُن کے کانوں میں گرانی کہ سُن نہ سکیں !) خامساً : دونوں میں آنحضورؐ
کو خبردار کیا گیا ہے کہ اب جبکہ سردارانِ قریش تھک ہار کر مصالحت کی پیشکش
پر اُتر آئے ہیں ، مبادا کہ آپ اپنی طبعی شرافت و مروت کے باعث کسی درجے
میں اُن کی جانب جھک جائیں ۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا : " اور
قریب تھا کہ یہ لوگ آپؐ کو فتنہ میں ڈال کر اس چیز سے ہٹا دیتے جو ہم نے آپؐ
پر وحی کی ہے ، تاکہ آپؐ گھڑ کر منسوب کر دیتے ہماری جانب کوئی اور چیز ! اور
تب وہ بنا لیتے آپؐ کو اپنا گاڑھا دوست ! اور اگر ہم نے آپؐ کو جمائے نہ رکھا
ہوتا تو کیا عجب کہ آپ اُن کی جانب کسی قدر جھک ہی جاتے ۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم

آپ کو زندگی اور موت دونوں کے دُگنے عذاب کا مزا چکھاتے اور پھر آپ نہ پاتے ہمارے مقابل میں اپنا کوئی مددگار!" اور سورۂ کہف میں فرمایا: "اور غنیمت جانیے اُن کی رفاقت کو جو اپنے رب کی رضا جوئی میں صبح و شام اُس کو پکارتے رہتے ہیں۔ اور نہ ہٹیں آپ کی نگاہیں اُن سے حیاتِ دنیوی کی زینتوں کی خاطر اور نہ ہی آپ دھیان دیں اُن لوگوں کی باتوں پر جن کے دلوں کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے!" —— واضح رہے کہ قرآن کے معروف اسلوب کے مطابق ان دونوں مقامات پر بظاہر خطاب آنحضورؐ سے ہے لیکن عتاب کا رُخ دراصل مُعاندین اور کفار کی جانب ہے —— سادساً:۔ دونوں سورتوں میں واضح کر دیا گیا کہ حق و باطل کی کش مکش کی شدت اور مصائب و مشکلات اور ابتلاء و آزمائش کے دَور میں بندۂ مومن کا اصل سہارا کلامِ الٰہی ہے! چنانچہ سورۂ کہف میں فرمایا: "وَاتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ" (اور پڑھتے رہا کرو جو نازل کیا گیا تمہاری جانب تمہارے ربّ کی طرف سے!) اور سورۂ بنی اسرائیل میں اس تلاوتِ قرآن کے لئے بہترین اوقات کی جانب رہنمائی فرمادی یعنی: "وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا" (اور خصوصی اہتمام کرو فجر کی قراءت کا، اس لئے کہ فجر کی قراءت خاص حضوری کی کیفیات کی حامل ہوتی ہے)، اور "وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ" (اور رات کا کچھ حصہ بھی اس قرآن کے ساتھ جاگتے ہوئے بسر کرو، یہ تمہارے لئے خصوصی اضافہ ہے!) —— الغرض سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف میں مشابہت اور مماثلت کے بے شمار پہلو ہیں جن کا احاطہ اس مختصر گفتگو میں ممکن نہیں۔

سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے اور آخری رکوع میں، اپنے نام کی مناسبت سے بنی اسرائیل کی تاریخ کے بعض اہم گوشوں کا ذکر ہے۔ چنانچہ پہلے رکوع میں ان کی تاریخ کے درمیانی دَور میں دوبارہ اُن کی سرکشی اور بغاوت اور اس پر

اللہ کی سخت سزا و سرزنش کا ذکر کیا گیا اور اس کے بعد فرمایا گیا کہ اب پھر تم ایک فیصلہ کن موڑ پر کھڑے ہو۔ اگر قرآن پر ایمان لاؤ اور اسے اپنا رہنما بناؤ تو رحمتِ خداوندی پھر تمہیں اپنے سائے میں لے لے گی۔ بصورتِ دیگر اللہ کے سخت سے سخت تر عذاب کے کوڑے تمہاری پیٹھ پر برستے رہیں گے:۔

"عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا جَہَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ حَصِیْرًا ○ اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ اَجْرًا کَبِیْرًا ○ وَّاَنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ اَعْتَدْنَا لَھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ○" —— اور آخری رکوع میں ایک جانب اُمتِ مسلمہ کی حیثیت سے اُن کی تاریخ کے آغاز کا ذکر ہوا۔ یعنی حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی سرگذشت کا خلاصہ۔ واضح رہے کہ پہلے رکوع میں اس حقیقت کی جانب بھی اشارہ ہے کہ اُمت کی تاسیس کتابِ الٰہی ہی کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے ایک اُمتِ مسلمہ کی حیثیت اُسی وقت اختیار کی تھی جب حضرت موسیٰؑ کو تورات عطا ہوئی: "آتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنٰہُ ھُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ" اور دوسری طرف اُن کی اس آخری تباہی کی جانب اشارہ کر دیا گیا جو قیامت کے قریب حضرت مسیحؑ کے نزول کے بعد ہوگی۔ چنانچہ فرمایا کہ جب وہ وقت آئے گا تو ہم تمہیں ہر طرف سے سمیٹ کر لے آئیں گے:۔ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَۃِ جِئْنَا بِکُمْ لَفِیْفًا ط جس کی صورت اس وقت نگاہوں کے سامنے ہے کہ کوئی غیبی ہاتھ ہے جو پوری دنیا سے یہودیوں کو کھینچ کھینچ کر فلسطین میں جمع کر رہا ہے جسے بالآخر ان کا قبرستان بنا دیا جائے گا۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ ہ عجیب بات ہے کہ جس طرح پہلے رکوع میں یہود کے ذکر کے بعد قرآن کا ذکر ہوا۔ اسی طرح آخری رکوع میں بھی یہود کی تاریخ کے آغاز و انجام کی جانب اجمالی اشارہ

کے بعد وارد ہوئے یہ انتہائی پُرہیبت و پُرجلال الفاظ کہ: "وَ بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَ بِالْحَقِّ نَزَلَ" (اس قرآن کو ہم نے حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور حق ہی کے ساتھ یہ نازل ہوا ہے۔) اب قوموں اور اُمتوں کی قسمتوں کا فیصلہ اسی کے ذریعے ہوگا - یہ گویا یہود سے وہی بات کہی جا رہی ہے جو سُورۂ طارق میں ایک عام قاعدہ کلّیہ کے طور پر فرمائی گئی کہ: اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّ مَا هُوَ بِالْهَزْلِ" (یہ قرآن فیصلہ کن بات بن کر نازل ہوا ہے، اسے ہنسی دل لگی کی بات نہ سمجھو!) —— اس کے علاوہ اس سُورۂ مبارکہ کے تیسرے اور چوتھے رکوع میں بقول حبر الامہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما تورات کے احکامِ عشرہ یعنی TEN COMMANDMENTS انتہائی دل نشیں پیرائے میں بیان کر دیئے گئے تاکہ اہلِ کتاب جان لیں کہ اُصولاً قرآن مجید کی تعلیم بھی وہی ہے جو تورات کی تھی - اس طرح ایک جانب دعوت اور افہام و تفہیم اور دوسری طرف انذار اور تہدید و وعید دونوں اعتبارات سے سُورۂ بنی اسرائیل تمہید بن گئی اُس مفصّل گفتگو کی جو ہجرت کے بعد مدنی سُورتوں میں یہود و نصاریٰ کو براہِ راست خطاب کر کے کی گئی!

خود ہجرت کی جانب ایک اشارہ اس سُورۂ مبارکہ میں ایک دُعا کی صُورت میں کیا گیا جو آنحضورؐ کو تلقین فرمائی گئی، یعنی :- وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ٥ یعنی (دُعا کرو کہ اے میرے رَبّ مجھے داخل فرما عزّت کا داخل کرنا اور باہر نکال عزّت کا باہر نکالنا، اور مجھے اپنے خاص خزانہ فضل سے عطا فرما قوّت و غلبہ جو میرے مشن کی تکمیل میں معاون و مددگار ہو!) یہ ایک نہایت اعلیٰ مثال ہے اس کی کہ خاصان بارگاہِ ربّانی کو دُعا کے الفاظ بھی خدا خود تلقین فرماتا ہے اور

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس دُعا کی قبولیت کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہوتا ہے!
ایک اور اہم مضمون سورۂ بنی اسرائیل میں رُوح سے متعلق سوال اور اس کا جواب ہے جو ناسمجھوں یا کج بحثی کے خواہش مند لوگوں کے حق میں تو جوابِ مُسکت کی حیثیت رکھتا ہے اور حقیقی علم و معرفت کے متلاشی لوگوں کے لئے حقائق و معارف کے ایک بحرِ بیکراں کو کوزے میں بند کر دینے کے مترادف ہے۔ رُوح کے بارے میں اس سوال اور اس کے جواب سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف ایک ہی سلسلے کی دو کڑیاں ہیں اس لئے کہ شانِ نزول کی روایات کی رُو سے یہود کے سکھلانے سے قریشِ مکہ نے تین سوالات آنحضورؐ کے سامنے امتحاناً پیش کئے تھے، ایک یہی کہ رُوح کی حقیقت کیا ہے؟، دوسرے یہ کہ اصحابِ کہف کا واقعہ کیا ہے؟ اور تیسرے یہ کہ ذُوالقرنین کون تھے؟ جن میں سے پہلے کا جواب ہے سورۂ بنی اسرائیل میں اور بقیہ دو کا جواب ہے سورۂ کہف میں۔
سورۂ کہف کے بارے میں متعدد مستند احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پوری سورت کو بالعموم اور اس کی ابتدائی اور آخری آیات کو بالخصوص دجّالی فتنے کے اثرات سے بچنے کے لئے مفید قرار دیا ہے۔ دجل عربی زبان میں اسے کہتے ہیں کہ کسی شئے کی حقیقت پر کسی فریب کا پردہ ڈال دیا جائے۔ سورۂ کہف کے پہلے اور آخری رکوع کے مطالعے سے اس دجل کی تعیین ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ اِس دنیا اور اُس کے ساز و سامان کی چمک دمک سے انسان کی نگاہیں خیرہ ہو کر رہ جائیں اور وہ خدا اور آخرت دونوں کو بھول جائے۔ چنانچہ پہلے رکوع میں فرمایا:
" اِنَّا جَعَلۡنَا مَا عَلَی الۡاَرۡضِ زِیۡنَۃً لَّہَا لِنَبۡلُوَہُمۡ اَیُّہُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ۝ " (ہم نے رُوئے زمین پر جو کچھ ہے اُسے اُس کا سنگھار اور زینت و آرائش بنا دیا ہے تاکہ ہم لوگوں کا امتحان لیں کہ کون ان میں سے

اچھے عمل کرتا ہے!) یعنی کون اُس کی ظاہری سج دھج سے مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے اور کون اس عروسِ ہزار داماد کی اصل حقیقت کو پا کر اپنی نگاہوں کو اللہ کی رضا طلبی اور آخرت کی فوز و فلاح پر ہی جمائے رکھتا ہے۔ ــــ اور آخری رکوع میں بڑے بلیغ پیرائے میں پہلے سوال کیا کہ: قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًاؕ (اے نبی! ان سے کہو کہ کیا ہم بتائیں تمہیں کہ سب سے زیادہ خسارے اور گھاٹے میں رہنے والے کون ہیں؟) اور پھر خود ہی جواب ارشاد فرمایا کہ: اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًاؕ یعنی (وہ لوگ جن کی سعی و جہد اور بھاگ دوڑ اس حیاتِ دنیوی ہی میں بھٹک کر اکارت چلی گئی، لیکن وہ یہی سمجھتے رہے کہ ہماری محنتیں سپھل ہو رہی ہیں!)۔ اوّل و آخر کی اِن دو آیات کو اس سورۂ مبارکہ کے عمود اور مرکز و محور کی حیثیت حاصل ہے جس کے گرد اُس کے تمام مباحث گھومتے ہیں۔ چنانچہ پہلے رکوع سے متصلاً بعد ہے اصحابِ کہف کا واقعہ اور آخری رکوع سے متصلاً قبل ہے حضرت ذوالقرنین کا ذکر، اور دونوں کا حاصل یہ ہے کہ اہلِ ایمان کو اس دُنیا میں ہر قسم کے حالات سے سابقہ پیش آسکتا ہے اصحابِ کہف کی سی کسمپرسی اور بے یار و مددگار ہونے کی حالت سے بھی اور حضرت ذوالقرنین کی سی حکومت و سلطنت اور سطوت و شوکت سے بھی۔ لیکن بندۂ مؤمن کا کام یہ ہے کہ ہر حال میں صابر و شاکر رہے اور ہر حالت کو ابتلاء و آزمائش پر محمول کرے۔ درمیان میں ایک[1] تو مکالمہ نقل ہوا ایک خود آگاہ و خدا شناس مردِ عارف اور ایک دُنیا کی ظاہری زیبائش و آرائش سے دھوکہ کھائے ہوئے شخص مغرور کے مابین جس سے اسی دجل کی حقیقت ایک تمثیلی پیرائے میں مزید واضح کی گئی اور دوسرے[2] وہ واقعہ بیان ہوا جو حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے مابین پیش آیا جس سے اسی تصویر کا

دوسرا رُخ واضح کر دیا گیا کہ جس طرح اس دُنیا کی دولت و ثروت اور عزت و وجاہت بے حقیقت ہے، اسی طرح یہاں کے مصائب و آلام بھی سراب ہی کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ بسا اوقات وہی چیز انسان کے حق میں موجبِ خیر و برکت ہوتی ہے جسے وہ اپنی لاعلمی اور ناسمجھی میں باعثِ خسران و نقصان اور موجبِ ذلت و رسوائی سمجھ رہا ہوتا ہے۔ مزید براں، ایک تو آنحضورؐ سے خطاب کر کے فرمایا کہ قریش کے صاحبِ دولت و ثروت سرداروں، اور چوہدریوں کی جانب زیادہ التفات نہ فرمائیں مبادا کسی کو یہ گمان ہو کہ آپؐ بھی دُنیا کی زینت اور چمک دمک سے مرعوب و متاثر ہو گئے ہیں اور دوسرے ایک نہایت فصیح و بلیغ تمثیل سے حیاتِ دنیوی کی اصل حقیقت کو کھول کر بیان کر دیا گیا۔ جس کے ضمن میں وارد ہوئے وہ نہایت سادہ مگر حد درجہ دل نشین الفاظ کہ: "اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلًا" (لوگو! یہ مال اور اولاد تو بس اس حیاتِ دنیوی کی زینت و آرائش ہیں، اُمید کے اعتبار سے بھروسے کے قابل اور تمہارے رب کی نگاہوں میں وقعت کے حامل تو صرف وہ نیک اعمال ہیں جنہیں دوام بھی ہے اور بقا بھی) اور واقعہ یہ ہے کہ یہی ہے وہ سَو باتوں کی ایک بات کہ اگر دل میں جم جائے تو انسان کی زندگی کا نقشہ یکسر بدل کر رہ جائے اور وہ بجائے اس دُنیا کی چمک دمک سے مرعوب و مبہوت ہونے اور اس میں گم ہو کر رہ جانے کے، اللہ ہی کو اپنا محبوب و مطلوب اور آخرت ہی کو اپنی منزلِ مقصود جانتے ہوئے اس دنیا سے ایسے گزر جائے گا جیسے کہ آنحضورؐ نے فرمایا کہ:- کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ ٥ (دُنیا میں ایسے رہو جیسے اجنبی یا راہ چلتا مسافر!) اللہ ہمیں اس کی ہدایت و توفیق عطا فرمائے!

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔